قد افلح من تزكى وذكر اسم ربه فصلى

القرآن الکریم

ترجمہ

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کرلیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہو گیا۔

ستمبر
2009ء

اللہ
رسول
محمد

الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ' مُجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے (الحدیث)

ماہنامہ

المُرشد

ایمان ویقین کے ساتھ اپنا محاسبہ کرتے ہوئے روزہ رکھا گیا تو اسکے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔

امیر محمد اکرم اعوان

ماہنامہ المرشد

بانی: حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ مجدد سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

سرپرست: حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ

ستمبر 2009ء رمضان

جلد نمبر 31 | شمارہ نمبر 1

مدیر

چوہدری محمد اسلم

جوائنٹ ایڈیٹر: ضمیر حیدر

سرکولیشن منیجر: رانا جاوید احمد

کمپوزنگ اینڈ لے آؤٹ

وسیم نور

قیمت فی شمارہ 25 روپے

LRL # 41

فہرست

اداریہ	محمد اسلم	3
کلام شیخ	سیماب اویسی	4
اقوال شیخ	انتخاب	5
طریقہ ذکر		6
مجاہدہ، برکات، نبوت تبدیلی کا واحد ذریعہ	امیر محمد اکرم اعوان	7
ذکر قلبی کو اپنے دل میں پیوست کرلو	امیر محمد اکرم اعوان	15
برکات رمضان	امیر محمد اکرم اعوان	22
دعوت عام		25
سوال وجواب	امیر محمد اکرم اعوان	26
ذکر کی اہمیت اور ضرورت شیخ	امیر محمد اکرم اعوان	29
ضرورت شیخ	پروفیسر لعل بادشاہ	36
جشن آزادی	ادارہ	39
روزے کے روحانی تقاضے	مولانا ابوالکلام آزاد	41
حضرت حسن بصریؒ	اقتباس از حیات طیبہ حصہ دوئم	44
Deputation of the Universal Mercy	امیر محمد اکرم اعوان	56-50

بدل اشتراک

پاکستان	250 روپے سالانہ
بھارت/سری لنکا/بنگلہ دیش	1200 روپے
مشرق وسطی کے ممالک	100 ریال
برطانیہ۔ یورپ	35 اسٹرلنگ پاؤنڈ
امریکہ	60 امریکن ڈالر
فارایسٹ اور کینیڈا	60 امریکی ڈالر

انتخاب جدید پریس۔ لاہور 042-36314365 ناشر۔ عبدالقدیر اعوان

سرکولیشن آفس = ماہنامہ المرشد، اویسیہ سوسائٹی، کالج روڈ، ڈاکخانہ ٹاؤن شپ، لاہور فون 042-35182727

رابطہ آفس = ماہنامہ المرشد، اے۔ ٹی۔ ایم بلڈنگ بل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 041-2668819 Mob: 0346-5207282

حرام کھانے کا اثر

مومن کو چاہیئے کہ وہ ایسے جانور کا گوشت کبھی نہ کھائے جو شرعی طور پر حلال نہ ہو اسکی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ گوشت اسکی جسمانی صحت کے لئے مضر ہے۔ اگر چہ ہر طرح کا حرام صحتِ انسانی کے لیے بھی نقصان دہ ہے۔ مگر بہت بڑا نقصان حرام کی وہ ظلمت ہے جو دل پر طاری ہو جاتی ہے اور دل شیطان کی باتیں سننے لگتا ہے جن کا اثر آپ کے سامنے ہے کہ جو لوگ آپ سے یعنی ایمان رکھنے والوں سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑا کرتے ہیں اور ناحق کرتے ہیں کلامِ الٰہی کے مقابلے میں محض رسومات اور ذاتی رائے کو لے آتے ہیں ان کے دلوں میں یہ ساری بات شیطان ہی تو ڈالتا ہے جو حرام کھانے کے اثر کی وجہ سے انکا دل قبول کر لیتا ہے۔ اور یہ اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں اگر تم لوگ ان کی بات ماننے لگو تو شرک میں مبتلا ہو جاؤ کہ اول تو انکی باتیں ہی شرک لیے ہوئے ہوتی ہیں اور دوسرے اللہ کے مقابلے میں کسی کی بات ماننا بھی شرک ہے جو بہت بڑی تباہی کا سبب ہے۔

اداریہ

آخر کب تک؟

ہمیں انگریزوں سے آزادی حاصل کیے ہوئے باسٹھ برس گزر چکے ہیں لیکن اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ہم ابھی تک حقیقی معنوں میں آزاد نہیں ہوئے، یہ الگ تلخ حقیقت ہے کہ ہم پہلے انگریزوں کے غلام تھے اور اب انگریزوں کے غلاموں کے غلام ہیں۔ انگریز نے اپنے استعماری مفادات کو تحفظ دینے اور برصغیر پر اپنا غاصبانہ قبضہ زیادہ سے زیادہ دیر تک برقرار رکھنے کیلئے جو نوآبادیاتی نظام نافذ کیا تھا وہ آج بھی ہم پر مسلط ہے۔ کہنے کو تو ہم آزاد ہو گئے ہیں لیکن ہمارا عدالتی، معاشی اور تعلیمی نظام وہی ہے جو انگریز چھوڑ کر گیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ قیام پاکستان کے باسٹھ برس بعد بھی سترہ کروڑ پاکستانی اپنے بنیادی انسانی حقوق سے محروم ہیں۔ لوگ ابھی تک روٹی، کپڑا، مکان، پانی اور صحت جیسی بنیادی سہولیات حاصل کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہیں، ملکی حالات روز بروز خراب تر ہوتے جا رہے ہیں۔

گزشتہ دنوں امیر المکرم مولانا محمد اکرم اعوان سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان کو بھی ملکی حالات پر بہت آزردہ پایا۔ انہوں نے بلیغ اور فکر انگیز گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ انگریز استعمار نے برصغیر سمیت اپنی نوآبادیات کے لئے جو سسٹم وضع کیا تھا اس کا مقصد یہاں کی مقامی آبادی کے حقوق غصب کرنا اور لوگوں کو محکوم بنا کر رکھنا تھا۔ انگریز نے اپنے عوام کیلئے ایک الگ نظام نافذ کر رکھا تھا اور اپنی نوآبادیات کیلئے اس سے بالکل الگ اور الٹ نظام تیار کیا تھا۔ ہماری بدنصیبی یہ ہے کہ انگریز تو 1947ء میں چلا گیا لیکن اپنا سسٹم یہیں چھوڑ گیا، یہ سسٹم اس کے پروردہ اور وفادار لوگوں نے سنبھال لیا، یہ نظام ابھی تک چل رہا ہے، مولانا اکرم اعوان نے اس موقع پر سوالیہ لہجے میں کہا کہ لوگ آخر کب تک موجودہ حالات کو برداشت کریں گے، آخر عوام کی قوت برداشت ختم ہو جائے گی اور وہ اٹھ کھڑے ہوں گے۔ موجودہ حکمرانوں کو برسر اقتدار آئے ڈیڑھ برس سے زائد عرصہ ہو چکا ہے لیکن عوام کے حالات نہیں بدلے۔ یہی صورت حال رہی تو عوام اہل اقتدار کے گلے پڑیں گے اور ملک میں انقلاب آئے گا جو بالادست طبقے کی تجوریوں اور جائیدادوں سمیت سب کچھ بہا کرلے جائے گا۔ امیر المکرم کا یہ تجزیہ مبنی برحقیقت ہے اور یہ وقت کے حکمرانوں کے لیے ایک قسم کا الٹی میٹم ہے کہ وہ اصلاح احوال کیلئے ہنگامی اقدامات اٹھائیں، غریبوں کو ان کا حق دیں۔ نوآبادیاتی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور اس قوم کو وہ نظام دیں جو ایک آزاد قوم کے شایان شان ہو۔ حکمرانوں نے اگر آج صورتحال کی نزاکت کو محسوس نہ کیا تو پھر وقت کی لوح سے ان کا نام حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا اور ان کی داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔"

کلامِ شیخ

سیماب اویسی

امیر محمد اکرم اعوان' سیماب اویسی کے قلمی نام سے شاعری کرتے ہیں۔ آپ کے کلام کے مندرجہ ذیل مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

گردِ سفر — نشانِ منزل

کونسی ایسی بات ہوئی ہے — سوچ سمندر

متاعِ فقیر — آس جزیرہ — دیدۂ تر

آپ کی شاعری کیا ہے؟

فرماتے ہیں۔

"میری شاعری میری کیفیات اور میرے جذبات کے اظہار کے علاوہ کچھ نہیں۔ یہ اشعار کیسے ہیں؟ ان کا معیار کیا ہے بلکہ یوں کہیے - یہ اشعار ہیں یا نہیں' اس کی مجھے خبر نہیں' اس لیے - میں نے یہ فن سیکھا ہے اور نہ اس کے اسرار و رموز۔ میں نے بہت سیکھا یا کم' سب کچھ محض اپنے عظیم شیخ کی توجہ اور نگاہ کا حاصل ہے۔

اگر ان اشعار میں واقعی کوئی کمال نظر آئے تو یہ اللہ کی عطا اور شیخ المکرم کا فیضِ نظر ہے اور اس کے برعکس سقم کی کوئی بات ہو تو وہ میری کمزوریوں کا نتیجہ ہے۔

اللہ کرے میں جو کہنا چاہتا تھا وہ کہہ سکا تھا اور جو کہہ سکا تھا وہ کسی کی سمجھ میں آسکے تو میں نے اپنا مقصد حاصل کر لیا - بندہ صرف بات پہنچا سکتا ہے باقی سب توفیقیں اللہ کو ہیں۔"

نعت

حُسنِ ظاہر سے تیرے روشن جہانِ رنگ و بو
پر جمال باطنی کی ضوفشانی اور ہے

دیکھتی ہے آنکھ گنبد کو کبھی در کو کبھی
دل نے جو دیکھا ہے آقا وہ کہانی اور ہے

بہتے ہیں دریا بہت شوریدہ سر موجیں بھی ہیں
بحرِ رحمت کی تیرے لیکن روانی اور ہے

چاہنے والوں سے چھپنا ہے وطیرہ حسن کا
گھر پہ تیرے عاشقوں کی میزبانی اور ہے

تیری طاعت میں ہے لطفِ زندگی بیشک فقیر
کیف آگیں لذتِ دردِ نہانی اور ہے

اقوالِ شیخ

☆ نبی اور غیر نبی میں ایک فرق ہوتا ہے۔ نبی تمام علوم براہِ راست ذات باری سے اخذ کرتا ہے اور غیر نبی، نبی سے اخذ کرتا ہے۔ یا باتباع نبی اُسے اللہ کریم کی طرف سے یہ چیزیں عطا ہوتی ہیں۔ غیر نبی کو اگر کوئی بڑے سے بڑا کمال وھبی طور پر بھی عطاء ہو تو اس میں نبی کا اتباع ضروری ہوتا ہے۔

☆ جسے علم کہا جا سکتا ہے وہ صرف وہ ہے جو معرفت باری عطا کرے۔

☆ وراثت نبوتؐ بھی یہی ہے کہ جس کا قلبی روحانی تعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مضبوط ہو جائے اتنا مضبوط ہو جائے کہ وہ کرامات وہ برکات اسکی اپنی حیثیت کے مطابق اسکے وجود میں در آئیں۔

☆ کوئی چیز کوئی وجود ایسا نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح نہ بیان کر رہا ہو۔ حیوان ہیں، چرندہ ہے، پرندہ ہے، درندہ ہے، پہاڑ ہے، دریا ہے، کوئی ذرہ اللہ کی تسبیح بیان کرتا ہے تو اسکا وجود ہے اور جیسے تسبیح سے غفلت آئے اُس کا وجود معدوم ہو جاتا ہے۔

☆ جس شخص میں جس وجود میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی ادا نظر آئے اُسے ہم ولی کہیں گے۔

☆ دین نے دنیا میں بھی رہنے کا وہ اسلوب تجویز فرمایا ہے جو انتہائی مزے دار ہے۔ اور انتہائی آبرومندانہ ہے۔

ڈ یقصک

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ

مکمل یکسوئی اور توجہ کے ساتھ ہر سانس کی آمد و رفت پر اس طرح گرفت ہو کہ ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ قلب پر لگے۔ دوسرے لطیفے کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ دوسرے لطیفے پر لگے۔ اسی طرح تیسرے چوتھے اور پانچویں لطیفہ کو کرتے وقت ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ اُس لطیفہ پر لگے جو کیا جا رہا ہو۔

چھٹے لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پیشانی سے نکلے۔

ساتویں لطیفہ کو کرنے کا طریقہ

ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' دل کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کا شعلہ پورے بدن کے ایک ایک مسام اور خلیہ سے باہر نکلے۔

ساتویں لطیفہ کے بعد پھر پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ سب سے پہلے بیان ہوا ہے۔ ذکر کے دوران سانس تیزی اور قوت سے لیا جائے اور ساتھ ہی جسم کی حرکت جو سانس کے تیز عمل کے ساتھ خود بخود شروع ہو جاتی ہے۔ پورا خیال رہے کہ کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ توجہ قلب پر مرکوز رہے اور ذکر کا تسلسل ٹوٹنے نہ پائے۔

رابطہ:- ساتوں لطائف کے بعد رابطہ کیا جاتا ہے جس کا طریقہ یہ ہے۔ ساتویں لطیفہ کے بعد پہلا لطیفہ کیا جاتا ہے اور پھر رابطہ کیلئے سانس کی رفتار کو طبعی انداز پہ لا کر ہر داخل ہونے والی سانس کے ساتھ اسم ذات ''اللہ'' قلب کی گہرائیوں میں اُترتا چلا جائے اور ہر خارج ہونے والی سانس کے ساتھ ''ھُو'' کی چوٹ عرش عظیم سے جا کر ٹکرائے۔

مجاہدہ، برکاتِ نبوت، تبدیلی کا واحد ذریعہ

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال 09-07-06

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد و اٰلہ و صحابہ اجمعین
اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم O
بسم اللہ الرحمن الرحیم
والذین جاھد وا فینا لنھد ینھم سبلنا ط و ان اللہ لمع المحسنین O

(سورہ العنکبوت آیت 69)

ارشاد باری تعالیٰ ہے والذین جاھدوا فینا۔ جولوگ میرے لئے محنت ومشقت اور مجاہدہ کرتے ہیں میں انہیں اپنی راہیں سمجھا دیتا ہوں۔ اللہ کی ذات کیلئے مجاہدہ کرنا کیا ہے؟ بھلا ہم اللہ کے لیے کیا کر سکتے ہیں وہ قادر وقیوم ہے کسی کا محتاج نہیں، کسی کے عبادت کرنے، مجاہدہ کرنے یا ذکر کرنے سے اسکی شان بڑھ نہیں جاتی اور کسی کے انکار سے اسکی عظمت میں کمی نہیں آجاتی تو پھر اللہ کے لئے مجاہدہ کرنے کا مفہوم کیا ہوگا؟ یہی کہ بندے کو اپنی حقیقی ضرورت کا احساس ہو جائے وہ اپنے اندر جرأت پیدا کر لے اتنی قوتِ فیصلہ پیدا کر لے کہ مجھے گناہ نہیں کرنا مجھے اللہ کی رضا کے لئے اپنے مزاج میں قربِ الٰہی کی طلب پیدا کرنی ہے۔

اللہ کریم نے انسان کو اپنی تخلیق کا ایک شاہکار بنایا ہے وہ فرماتا ہے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (التین۔ 4)) میں نے انسان کو بہت خوبصورت انداز سے بنایا ہے اس کا ظاہری وجود متناسب اعضاء کے ساتھ بنایا خوبصورت شکل وصورت عطا کی اس میں فکروشعور، حقائق کو تلاش کرنے کا جذبہ استعداد کار رکھی، نفع ونقصان، خیر وشر کا احساس رکھا اور ایک جذبہ ودیعت کیا کہ دنیا میں کس طرح فوائد حاصل کیے جائیں اور نقصانات سے کیسے بچا جائے۔ ہر فرد کی پوری انسانی زندگی ذات سے لے کر اقوام تک اسی بات کے گرد گھومتی ہے افراد اپنے لئے سوچتے ہیں۔ اقوام اپنی بقاء کے لئے اپنے آرام وآسائش کے لئے سوچتی ہیں ہر ایک کی اپنی رائے ہے خواہ وہ امیر ہے یا غریب طاقتور ہے یا کمزور پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ لیکن یہ فطری استعداد ہر ایک میں ہے کہ وہ یہ ضرور سوچتا ہے کہ کون سی چیز کس طرح حاصل کروں اور پھر اس سے کس طرح فائدہ اٹھاؤں یا کیسے استعمال کروں۔ یہ ساری سوچیں انسانی مزاج، اسکی عقل اسکے شعور کی رہنمائی میں چلتی رہتی ہیں۔ اسلام یہ ہے کہ اس سارے بکھیڑے کو چھوڑ کر یہ مجاہدہ کیا جائے کہ میں وہ پسند کروں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔ چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند اللہ کی پسند ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ (النساء آیت 80) جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل اور کوئی ارشاد اطاعت الٰہی سے الگ نہیں۔ اس طلب کو مزاج کا حصہ بنا دینا یہ بہت بڑا مجاہدہ ہے۔

آج دنیا کی آبادی چھ ارب کے قریب ہے اُس میں سے چار ارب کے قریب لوگ اسلام سے آشنا ہی نہیں۔ اس دور میں ایسے بہت کم لوگ ملتے ہیں جو حقیقت کی تلاش میں اسلام تک پہنچ

ہوں اور اسلام قبول کیا ہو۔ شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے پھر اخباروں، رسالوں میں انکی کہانیاں چھپتی ہیں اور واقعی اسلام قبول کر لینا بہت بڑی سعادت ہے۔ لیکن دنیا کی اتنی کثیر آبادی اس سے محروم ہے۔ حقیقت تک پہنچنے کی جو فطری طلب اللہ نے ہر ایک کو دی ہے وہ اسے استعمال ہی نہیں کرتے یعنی وہ یہ سوچتے ہی نہیں اور صرف یہ سوچتے سوچتے زندگی بسر کر دیتے ہیں کہ کہاں کہاں سے کماؤں کیسے کھاؤں کیسے جمع کروں اور بس زندگی بھر پیٹ پالتے اقتدار کے لئے لڑتے۔ اپنی بات منوانے کیلئے کوشاں رہتے ہیں، اور دو سو کروڑ مسلمان بھی خدانخواستہ مسلمانوں کے گھر پیدا نہ ہوتے تو شاید اس فضا میں اسی تنگ و تاز حیات میں ہم بھی کھو جاتے۔ الحمد للہ مسلمانوں کے ہاں پیدا ہوئے الحمد للہ مسلمان ہیں یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ ہم پیدا ہی مسلمانوں کے گھر ہوئے۔ دنیا میں آنکھ کھولنے کے بعد پہلی آواز ہی آذان کی سنی والدین کو صوم و صلوٰۃ کرتے دیکھا ماحول و معاشرہ نیکی پر کاربند پایا اور اسی میں چل پڑے۔ ہم نے بھی یہ سمجھ لیا ہے کہ صلوٰۃ پنجگانہ ادا کر لیں، تیس روزے رکھ لیے، عمرہ کر لیا، حج کر لیا، زکوٰۃ دے دی تو اسلام کے تقاضے پورے ہو گئے اب زندگی کے باقی امور میں ہم بھی آزاد ہیں۔ کیسے کھایا؟ کتنا خرچ کیا؟ کیسے خرچ کیا؟ کیا سوچا؟ کیسے بات کی؟ حالانکہ انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کا سبب ہی یہ ہے کہ باوجود عقل و فکر کے اختیارات کے، مہلت عمل کے وہ عظمت الٰہی سے آشنا ہو جائے۔ یہی سب سے بڑی دانش ہے کہ بندہ یہ جان لے کہ سب کچھ کرنے کے باوجود اللہ کے سامنے وہ ایک حقیر مخلوق ہے اور اللہ کی مرضی کے علاوہ کچھ نہیں کیا جا سکتا۔

اس حقیقت کو پانے کے لئے وہ کیفیات چاہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تقسیم ہوئیں۔ ان کیفیات کو پانے کے لئے مجاہدہ ہے۔ جب مجاہدہ شروع ہوتا ہے تو یہ حقیقت سمجھ آنے لگتی ہے کہ میں خواہش تو کر سکتا ہوں فیصلہ کرنا میرے بس میں نہیں ہے، فیصلے کی طاقت اس کے پاس ہے اس کے دستِ قدرت میں ہے اور فیصلے بھی اسی کے نافذ ہوتے ہیں۔ جس کی کائنات ہے لہٰذا مجھے اپنے مقام کو سمجھنا ہے اور اس کے مطابق خود میں تبدیلی لانی ہے میرے اپنے فائدے میں ہے کہ میں اپنی آرزوؤں خواہشات اور تمناؤں کو تبدیل کروں اور یہ دنیا کا مشکل ترین کام ہے ملکوں کی سرحدیں بدلی جا سکتی ہیں زمانے کے حالات بگاڑے یا بنائے جا سکتے ہیں کاروبار بڑھایا اور گھٹایا جا سکتا ہے لیکن اپنے فکری انداز اور اپنی سوچوں کو تبدیل کرنا اتنا آسان نہیں ہے اس کے لئے بہت بڑی قوت چاہیے ایک عشق و جنون چاہئے کہ بندہ اپنی رائے کو مسل کر اس کے اوپر سے گزر جائے اور یہ عشق پیدا کرنے کے لئے برکات نبوت ﷺ کی ضرورت ہے۔ جب ابھی نمازیں اور روزے فرض نہیں ہوئے تھے تو سارے کا سارا اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ادراک۔ یہی کچھ سارا اسلام تھا جب صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر مکہ مکرمہ میں کفار و مشرکین نے مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے ایسی ایسی ایذائیں اور سزائیں دی گئیں کہ آج اُن کو پڑھنے سننے سے جان لرز اٹھتی ہے لیکن صحابہ کسی چیز کو خاطر میں نہ لائے اور استقامت کے پہاڑ بنے قائم رہے۔ انہوں نے دنیا کا ہر دکھ سہہ لیا لیکن انہوں نے کہا کہ تکلیف اپنی جگہ لیکن جو لطف ان دو جملوں میں ہے ان دو جملوں کی جو کیفیت ہمارے دل میں اتری ہے اور اس سے جو سیرابی ہمارے قلب کو ہوئی ہے وہ دنیا کی اور کسی نعمت سے نصیب نہیں ہو سکتی اچھی رہائش بہترین غذا،

حکومت وسلطنت مال و دولت ہر ایک کا لطف جدا ہے لیکن کلمے کی کیفیت اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی جو ٹھنڈک ان دو جملوں سے سینے میں اتری ہے وہ کسی اور ذریعے سے نصیب ہونا ممکن نہیں۔ صحابہ کرامؓ تو براہ راست شمسِ نبوت کے سامنے تھے پرتو جمال نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن کے اندر یہ کیفیات پیدا کر دیں تھیں۔ ہم بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں جو اُن کے پاس تھا پھر اس کے بعد صلوٰۃ وصوم فرض ہوئے عبادات کے طریقے وسلیقے بتائے گئے عملی زندگی میں بھی مجاہدات کے راستے کھل گئے اور اُن کی زندگیاں مثالی بن گئیں۔ آج ہمارے پاس بھی اللہ کا ذاتی کلام قرآن حکیم موجود ہے بے شمار ذخیرہ احادیث ارشادات نبوی علیہ السلام موجود ہیں۔ رمضان المبارک کی مبارک ساعتیں موجود ہیں۔ لیلۃ القدر ہر سال آتی ہے اور یہ سب پانے کے بعد ہم کوئی چھوٹی سی بات اللہ کے لئے چھوڑ نہیں سکتے، کوئی عادت اللہ کے لئے قربان نہیں کر سکتے، ہم سے یہ نہیں ہوتا کہ ناجائز وسائل سے دولت نہ لیں غلط طریقے سے اقتدار میں نہ آئیں، لوگوں پر خود کو مسلط نہ کریں انصاف کریں، دوسروں کے لئے بھی زندگی کے مواقع پیدا کریں۔

ہم عبادات تو ساری کر لیتے ہیں، عبادات کے نتیجے سے پھر بھی محروم رہتے ہیں۔ کاروبار وملازمت میں بددیانتی اور رشوت سے مال اکٹھا کر کے ہم عمرے پر چلے جاتے ہیں اور عبادات کا حاصل نہیں پا سکتے۔ عبادات کا حاصل فرد کی اصلاح تھا ہم نے انہیں اپنے مسلمان ہونے کا اشتہار بنا لیا۔ اپنے اوپر اسلام کا ایک خول چڑھا لیا ہے اندر سے بندہ وہی ہے اسکی خواہشات وہی ہیں اس کا کردار وہی ہے۔

قرآن حکیم نے بتایا، **والذین جاھدو افینا** کہ جو لوگ اس کام کے لئے محنت کرتے ہیں کہ اپنی پسند و ناپسند کو اللہ کی پسند و ناپسند کے تابع کر دیں انہیں اللہ اپنی رضامندی کے راستے پر چلا دیتا ہے۔ وہ لوگ بھی اسی معاشرے میں رہتے ہیں اور انہی ضروریات کی تکمیل کے خواہاں ہوتے ہیں ایک جگہ سے ناجائز دولت مل رہی ہو، دیکھنے والا بھی کوئی نہ ہو، پولیس بھی پیچھے نہ لگی ہوئی ہو اور سب کچھ مفت میں مل رہا ہو، بندہ ضرورت مند بھی ہو لیکن اُن کی نظر اللہ کی مرضیات پر اور آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر چلی جائے تو وہ کہے گا کہ دولت تو مل جائے گی پولیس کو بھی خبر نہیں ہوگی، مقدمہ بھی نہیں بنے گا لیکن اللہ کریم ناراض ہو جائیں گے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں فیصلہ کرنا ہوتا ہے کہ ایک کہتا ہے اللہ راضی رہے یا ناراض میں تو دولت بہر طور لے لوں دوسرا کہتا ہے مجھے اللہ کی ناراضگی برداشت نہیں دولت ملے یا نہ ملے رازق تو اللہ ہے، میں تو جائز وسائل ہی اختیار کروں گا اور اپنے حصے کا مقرر کردہ رزق جائز طریقے سے ہی حاصل کروں گا۔ اس کے لئے خود کو تیار کرنا اپنے اندر اتنی جرأت پیدا کرنا اتنی مضبوط قوتِ فیصلہ پیدا کرنا کہ مجھے گناہ نہیں کرنا مجھے اللہ کی ناراضگی مول نہیں لینا یہی **جاھدو افینا** ہے کہ اللہ کی رضا اللہ کے قرب اور اللہ کی خوشنودی کو پانے کے لئے محنت کی جائے۔ انسانی عادات کو تبدیل کرنا آسان نہیں یہ جبلی اور پیدائشی ہوتی ہیں مزاج کا حصہ ہوتی ہیں اور سیانوں کا کہنا ہے ''جبل گردد جبلّت نہ گردد'' پہاڑ کو اکھاڑا جا سکتا ہے لیکن فطری عادات نہیں بدلی جا سکتیں لیکن یہ بات اُن پر تو صادق آتی ہے جنہیں برکات نبوی علی الصلوٰۃ والسلام نصیب نہیں لیکن دانشوروں کا

یہ قول اُن افراد کے لئے پرکاہ اہمیت نہیں رکھتا جنہیں برکات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہیں۔ برکات نبوی وہ برقِ تپاں ہے کہ بڑی سے بڑی نفسانی آرزو، عادات و جبلت کو بھی خاک کر دیتی ہے اور انسان بدل جاتا ہے۔ عہد نبوی علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام پر غور کریں تو اللہ نے نئے لوگ آسمان سے نہیں اتارے تھے نہ کہیں سے منگوا کر دیئے تھے وہی خطہ زمین تھا اور اسی عرب میں رہنے والے لوگ تھے۔ یہ ایسی قوم تھی کہ اردگرد کی بڑی بڑی حکومتیں بھی ان کے اجڈپن اور بدتہذیبی کے باعث ان سے منہ پھیرے ہوئے تھیں۔ جزیرہ نمائے عرب کے دونوں طرف اس عہد کی دو بڑی عظیم طاقتیں تھیں قیصر کی روم ایمپائر اور ایران کی کسریٰ ایمپائر، لیکن دونوں میں سے کسی نے جزیرہ نمائے عرب پر حکومت نہ کی۔ عرب پر نہ کوئی بادشاہ تھا نہ سلطان صرف قبائلی سردار تھے جو وہ چاہتے تھے وہی قانون تھا اور جو وہ کرتے تھے وہی وہاں کا رواج تھا۔ اپنے طور پر کچھ اصول اور ادارے انہوں نے بنا رکھے تھے جس کا بنیادی اصول "جس کی لاٹھی اسی کی بھینس تھا" کیا وجہ تھی کہ اتنے بڑے علاقے پر نہ کسریٰ کا قبضہ ہوا نہ قیصر کا اور وہ ایسے ہی پڑا رہا اس لئے کہ وہ سمجھتے تھے کہ اس سے حاصل تو کچھ نہ ہوگا کہ ان کا اکثر علاقہ صحرا و بیابان ہے۔ نہ فصل ہے نہ کوئی اور مفید شے، چند درخت کھجوروں کے ہیں اور یہ لوگ اکثر سفر پر رہتے ہیں اور دور دراز سے تجارت کر کے کما کر لاتے ہیں اور آپس کی آویزش میں ہی مشغول رہتے ہیں ہر بندہ مرنے مارنے پر تیار رہتا ہے عجیب خونخوار مزاج کے لوگوں پر مشتمل لوٹ مار کرنے والوں کا ملک ہے۔ اگر ہم انہیں اپنی ریاست میں شامل کریں تو اُن کو زندگی کے وسائل دینے پڑیں گے ان کے کاروبار وغیرہ میں مدد کرنا پڑے گی۔ ان کو اپنی ریاست میں شامل کر کے اُن کے ملک کا بھی انتظام کرنا پڑے گا مزید کہ یہ لوگ فسادی مزاج رکھتے ہیں یہ فساد سے باز نہیں آئیں گے اور ہماری ریاستوں کے لوگ ان کی نقل کریں گے اور پورے ملک میں فساد پھیل جائے گا۔ اس وجہ سے کسی سپر پاور نے انہیں اپنی ریاست کا حصہ نہ بنایا البتہ عرب میں سے کسی نے کبھی کوئی جھگڑا و فساد ان ریاستوں سے کیا بھی تو انہوں نے کوئی فوجی ٹولہ بھیج کر اُن کی سرزنش کر دی لیکن انہیں اپنی ریاست میں شامل نہیں کیا کہ یہ تو ایسے وحشی قاتل، سفاک، ظالم، ڈاکو ہیں جو شراب میں دھت رہتے ہیں عورتوں سے پیشہ کرانا اور دنیا کو قبیح سے قبیح جرم کرنا، کروانا ان کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان لوگوں میں مبعوث ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیکھئے برکات نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کہ ان لوگوں کو تبدیل کر کے کہاں پہنچایا کہ یہی وہ لوگ ہیں کہ دنیا میں السابقون الاولون ہیں یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے سب سے اعلیٰ منازل میں ہوں گے، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ کی رضا سب سے زیادہ نصیب ہوئی۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے طفیل روئے زمین کے انسانوں کو ہدایات نصیب ہوئی۔ کیا خوب کہا شاعر نے:

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کر دیا

جو کبھی خود مردہ تھے اُن میں مسیحائی آ گئی جو خود کبھی راہ گم کردہ تھے وہ دوسروں کے لئے راہ نما بن گئے کس قوت نے مردہ دلوں کو حیات نو بخشی وہ طاقت ہے برکاتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیفیات جب دل میں آتی ہیں تو سب کچھ تبدیل کر سکتی ہیں۔ جبل

بھی ہٹ جاتا ہے جبلت بھی بدل جاتی ہے۔

جن ساتھیوں کو اس بات کا بڑا شوق رہتا ہے اور وہ دوسروں سے پوچھتے رہتے ہیں کہ اُن کے منازل کہاں ہیں؟ اور وہ کس درجے پر ہیں وہ یہ بات سمجھ لیں کہ یہ بات دوسروں سے پوچھنے کی نہیں ہے یہ بات بندے کو اپنے خیال سے جاننا چاہیے اگر نمائش اور ظاہر داری نہیں ہے اور برکات نبوت ﷺ واقعی دل میں اتر رہی ہیں تو عملی زندگی میں خوبصورت تبدیلی آنا شروع ہو جائے گی اور خواہشات نفس پر امکانات شریعت غالب آنا شروع ہو جائیں گے بندے کو خود پتہ چل جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ پر کتنا کنٹرول کر پایا ہے اور کتنا نہیں کسی دوسرے کو ہمارے حال کا کیا پتہ اللہ جانے یا بندہ جانے ہمیں تو صرف شکل و صورت نظر آتی ہے، نہاں خانہ دل میں کیا ہے یہ تو اللہ ہی کو پتہ ہے۔ لہٰذا بندے کو اپنا حال خود دیکھنا چاہیے۔ اس سارے مجاہدے کا حاصل ہی یہی ہے کہ ہماری پسند پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند غالب آجائے۔

علامہ ابن خلدون نے اپنی مشہور تصنیف مقدمہ میں بڑی خوبصورت اور باریک باتیں کی ہیں وہ لکھتے ہیں کہ جب پہاڑ ٹل جائے تو پتہ چلتا ہے کہ کچھ ہوا ہے اور اس کے ٹلنے کے اسباب چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں جو نظر نہیں آتے لیکن اثر رکھتے ہیں، اور ان کا اظہار بھی چھوٹی چھوٹی باتوں سے ہوتا ہے۔ مثلاً وہ فرماتے ہیں کہ آپ صرف کسی قوم کا قومی لباس پہننا شروع کر دیں تو اس کا اپنا ایک اثر مزاج میں در آئے گا۔

اسلام میں بدن ڈھانپنا فرض ہے۔ اگر ناف سے لیکر گھٹنوں تک بدن ڈھکا ہوا ہے تو مرد کے لئے کافی ہے اس میں اس کی عبادات ہو سکتی ہیں لیکن اگر اس کے پورے جسم پر لباس ہے تو یہ زیادہ اچھی بات ہے اگر وہ صاف ستھرا ہے یا اس کی حیثیت کے مطابق قیمتی ہے تو یہ اور بھی اچھی بات ہے، لیکن اگر اس کی بناوٹ کسی غیر مسلم قوم کی شناخت جیسی ہو تو اس کا کم از کم اثر یہ ہوگا اس قوم کی برائیاں ہلکی محسوس ہونے لگیں گی پھر آہستہ آہستہ ان کو اپنانا شروع ہو جائیں گے۔ مثلاً ہندوؤں کا قومی لباس دھوتی پٹکا ہے اور ماتھے پر تلک کا نشان ان کی شناخت ہے اگر کوئی مسلمان ویسی دھوتی پہن لے تو شرعاً گناہ نہیں کہ اس طرح بھی ستر عورت تو ہو گیا یعنی جسم کا جتنا حصہ ڈھانپنا فرض تھا وہ ڈھانپا گیا لیکن ہندوؤں کی دھوتی پہننے کے بعد اُن کی خصلتیں بری نہیں لگیں گی پھر آہستہ آہستہ وہ خصلتیں اس مسلمان میں در آئیں گی وہ انہیں اپنانا باعث شرم نہیں سمجھے گا۔ ان کی رسومات پر عمل کرنے لگے گا یوں آہستہ آہستہ اپنا تشخص کھوتا جائے گا۔ اور اُن جیسا ہوتا چلا جائے گا۔ جیسے ہم نے انگریزی کی غلامی میں رہ کر انگریز کا قومی لباس اپنایا تو آج انگریزی معاشرے کی کونسی اخلاقی برائی ہے جو ہمارے معاشرے میں موجود نہیں ویسے تو ہم مغربی معاشرے کی برائیاں گنواتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں اُن کے رنگ میں رنگے جانے سے برائیاں اُن سے زیادہ ہو چکی ہیں۔ میں ہرگز مغرب کی زبان سیکھنے اور جدید سائنس و ٹیکنالوجی اپنانے کے خلاف نہیں یہ سب سیکھنا لازمی ہے لیکن زبان سیکھیں ان کی تہذیب نہ سیکھیں۔ یہ اُسی وقت ممکن ہے جب اپنی قومی شناخت پر خود کو فخر کیساتھ قائم رکھا جائے۔

اسلام عالمگیر دین ہے، دنیا کے ہر خطے میں مختلف لباس پہنے جانا ایک فطری امر ہے لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اسلام غیر

مسلموں کے قومی نشان، قومی شناخت ان کے مذہب کے شعار کو اپنانے کے یہ نتائج بیان کرتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت دو طرح کی ہے ایک وہ سنت ہے جو عبادات میں شمار ہوتی ہیں جیسے فرض رکعتوں کے بعد سنت رکعات پڑھنا، دوسری سنت عادیہ یعنی امورِ عادیہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پسند فرمائے گئے کھانے، رہائش، لباس، عہد بہ عہد ان میں تبدیلیاں آتی جاتی ہیں اس کا ایک درجہ یہ بھی ہے کہ کسی لباس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور وہ بعد کے زمانوں میں بھی موجود ہے انہیں پہننا پسندیدہ ہے اور نہ پہننا گناہ نہیں ہے کہ یہ سنت عادیہ ہیں۔ مثلاً عہد نبوی ﷺ میں سرزمین ہند میں شلوار قمیض کے نیچے پہنی جاتی تھی اور ترک شلوار، قمیض کے اوپر باندھتے تھے وہ کھلی شلوار تھی جس نے بعد میں پتلون کی شکل اختیار کر لی۔ عمان کے علاقے میں اس وقت ایک عالمی منڈی تھی جہاں مشرق و مغرب، ہندوستان، چین تک سے لوگ تجارت کے لئے آتے جاتے تھے چند سال پیشتر اس عالمی منڈی والے شہر کے کھنڈرات زیر زمین دریافت ہوئے ہیں اس عالمی منڈی میں ہند میں پہنے جانے والے لباس میں شلوار بھی خرید و فروخت کے لئے لائی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک یا تو پہنچائی گئی یا اس کے بارے بتایا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پسند فرما لینا بھی سنت بن گیا اور شلوار قمیض پسند فرمایا گیا لیکن اگر کوئی شلوار قمیض نہیں پہنتا تو یہ کوئی جرم نہیں ہے اور اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند سمجھ کر پہنتا ہے تو اس کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مضبوط ہوتا ہے تو چھوٹی چھوٹی باتوں کے بڑے بڑے اثرات ظاہر ہوتے ہیں جو پورے معاشرے کو متاثر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ اب بچوں میں بھی معصومیت زیادہ دیر نہیں رہتی۔ ہمارے بچپن اور لڑکپن میں اتنی معصومیت تھی کہ گاؤں کے بارہ تیرہ سال کے لڑکے لڑکیاں مل کر رات گئے تک دوڑتے کھیلتے رہتے تھے اور کسی کے بھی ذہن میں جنس کا خیال تک نہ ہوتا تھا نہ کسی بچے کے ذہن سے یہ خیال گزرتا تھا نہ والدین کو ہی یہ توقع ہوتی تھی مختلف تہواروں پر بھی اچھلتے کودتے خوش ہوتے تھے پھر جوان ہو جاتے تو پردہ شروع ہو جاتا شادیاں ہو جاتیں، اولادیں ہو جاتیں لیکن میاں بیوی مارے حیا کے والدین اور دوسرے افراد خانہ کے سامنے بات کرتے جھجکتے تھے پھر اچانک مغربی تہذیب کی یلغار ہوئی اور معاشرتی اقدار میں تبدیلی آئی اپنی شناخت دم توڑنے لگی اور مغربی شناخت چھانے لگی، والدین پہلے علیحدہ علیحدہ چارپائیوں پر سوتے تھے پھر ڈبل بیڈ آ گیا۔ حجاب ہٹنا شروع ہوا اس کا اثر کردار میں آتا گیا۔ حیا کی کیفیت والدین میں ختم ہوئی اور گھر کے بچوں پر اثرات آئے ان میں سے معصومیت ختم ہوئی۔

یہی کہنا ہے علامہ ابن خلدون کا کسی بھی قوم کی شناخت اُن کا لباس اُن کا طرز رہائش اُن کا روّیہ اپنا لو تو اس قوم کی بے شمار برائیاں ہلکی لگنے لگیں گی۔ معاشرتی اقدار تبدیل کرنے کے لئے کوئی بڑا پہاڑ نہیں گرانا پڑتا۔ چھوٹی چھوٹی تبدیلیاں ہی کافی ہوتی ہیں۔

اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق چلنا شروع کر دے وہی طریقے اپنے طور اطوار میں لے آئے۔ مثلاً چھوٹی سی بات ہے کسی آنے والے کو خوشدلی سے ملے اس کی بات سنے، جانے والے کو حوصلہ دے کر بھیجے تو اسی ایک انداز کے اپنانے سے اس کے اخلاق میں بہتری آنے لگے گی۔ اور اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کو پانے کے لئے محنت کرے تو اللہ کریم اس کی محنت کو قبول کر کے اپنی رضامندی کے حصول کو آسان فرما دیتے ہیں۔

برکاتِ رمضان المبارک

یکم رمضان المبارک

(۱) مرحبا اے ماہ رمضان مرحبا رب کا مہماں گھر ہمارے آ گیا۔

(۲) سب دلوں میں آ کے تو نے گھر کیا۔ داخلہ شیطان کا یوں بند کیا

(۳) ظاہر و باطن کے جتنے روگ ہیں۔ ہے تیرے ہاتھوں میں ان سب کی شفا۔

(۴) تیری عظمت کا بھلا کیا پوچھنا۔ تجھ میں نازل ہے کلام اللہ ہوا

(۵) ہم گنہگاروں کے بھی دن پھر گئے۔ رحمتوں کے جھونکے لایا جانفزا

(۶) اجر صائم کا دیا اتنا بڑھا۔ تنگئی داماں کا ساماں ہو گیا

(۷) ہے تراویح تیرا اک تحفہ عجیب صوتِ قرآن کا گونجے زمزمہ

(۸) ہے یہ روزہ ڈھال روزہ دار کی۔ جو گناہوں سے اسے لے گی بچا ا

(۹) اب دلوں میں وسوسے آتے نہیں۔ قید کر دیتا ہے شیطان کو خدا

(۱۰) کھڑکیاں دوزخ کی ہو جاتی ہیں بند۔ اور در جنت کے ہو جاتے ہیں وا۔

(۱۱) لے کے آیا قدر کی تو ایک شب ہے صدی کا فاصلہ جس میں چھپا

(۱۲) غور سے پڑھ تو حدیث مصطفےٰ جس میں ہے مذکور ارشادِ خدا

(۱۳) روزہ رکھا جس نے بھی میرے لئے۔ خود ہی دوں گا میں اسے اس کی جزا ۲

(۱۴) بلکہ اس سے بڑھ کے یہ فرما دیا۔ کہ ہوں میں تو خود ہی روزے کی جزا ۳

(۱۵) تجھ میں اجر نفل ہے مانند فرض۔ اور فرائض کا ملے ستر گنا

(۱۶) معصیت سے جو بھی تھے لتھڑے ہوئے جھاڑا پونچھا اور اجلا کر دیا

(۱۷) رحمت حق کی گھٹائیں چھا گئیں۔ سب کو پروانہ بخشش مل گیا ۴ ۵

(۱۸) صائم و قائم کی بخشش ہو گئی۔ کس قدر عالی ہے تیرا مرتبا

(۱۹) رحمتوں کی مچ گئی یوں لوٹ سیل۔ آنے والا بھر کے دامن گھر گیا

(۲۰) ہو گئیں پر نور راتیں بھی تیری۔ تیرے آنے سے اندھیرا چھٹ گیا

(۲۱) حشر کے دن کی کڑی ساعت میں بھی۔ تو نے ہے ذمہ شفاعت کا لیا۔

(۲۲) ہر در و دیوار سے آئی اذاں۔ ہو گئی پر کیف ساری ہی فضا

(۲۳) برکتوں سے سحر اور افطار کی۔ یہ جہاں رشک ملائک ہو گیا

(۲۴) آ گیا دریائے رحمت جوش میں۔ کو عصیاں کو جو لے جائے بہا

(۲۵) یہ بشارت آپؐ سے ہم کو ملی۔ اولیں عشرا ہے رحمت سے بھرا

(۲۶) وسطی عشرے میں ہے روزہ دار کی۔ بخشش دی رب نے گناہوں کی سزا۔

(۲۷) نارِ دوزخ سے رہائی مل گئی۔ اس کا ضامن آخری عشرا ترا

(۲۸) تو اویسی کر نہیں سکتا شمار۔ کہ ہیں احساں تجھ پہ اس کے بے بہا

انجینئر عبدالرزاق اویسی ٹوبہ

۱۔ الصَّوْمُ جُنَّۃ

۲۔ الصَّوْمُ لِی وَاَنَا اَجْزِی بِہٖ

۳۔ اَنَا اُجْزٰی بِھَا

۴۔ مَنْ صَامَ رَمَضَانًا اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

۵۔ مَنْ قَامَ رَمَضَانًا اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ

(بخاری و مسلم عن ابو ہریرہ)

اسلام ہمارا ذاتی مذہب

اسلام کو ہمیں اپنا ذاتی مذہب سمجھنا ہوگا تب بات بنے گی۔اب ہم نے مذہب کو ایک خاص طبقے کے سپرد کر رکھا ہے۔علمی طور پر یعنی جاننے کیلئے ہم سمجھتے ہیں۔یہ مولوی کا کام ہے ہمیں جب ضرورت ہوگی اس سے پوچھ لیں گے جو اکثر امور میں تو ہم پوچھا ہی نہیں کرتے اور اگر کبھی پوچھنے کی نوبت آئے تو عموماً اپنی پسند کا جواب چاہتے ہیں۔اگر ایک جگہ سے نہ ملے تو دوسری جگہ چلے جاتے ہیں یا پھر مطلوبہ جواب خریدنے کی کوشش کی جاتی ہے اور عمل کیلئے ہمارا خیال ہوتا ہے کہ بزرگ کافی ہیں یہ نماز روزہ کر لیتے ہیں اور اکثر تو بزرگ بھی ابھی خود کو اس بزرگی سے بچا کر یہ کام اپنے پیر کے سپرد کرتے ہیں اور خود سالانہ فیس ادا کر کے جنت کی قسطیں ادا کرتے رہتے ہیں جسکا نتیجہ سامنے ہے کہ ہم نام کو مسلمان حلیے میں مغربی، رنگت میں مشرقی اور تہذیب میں سب سے بیگانہ ہیں یہاں تک کہ اپنی شناخت تک گم کر چکے ہیں تو اسکا علاج یہی ہے کہ ہم خود اپنے دین کا مطالعہ کریں اور خود پڑھ کر سمجھنے کی کوشش کریں کہ بحیثیت مسلمان ہمارے فرائض کیا ہیں اور ہمیں کیا حقوق حاصل کریں۔

(اقتباس از غبارِ راہ دوم)

تعاون

اسلم ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ

مینوفیکچررز آف پی سی یارن

پُل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-267571

ذکرِ قلبی کو اپنے دل میں پیوست کر لو

امیر محمد اکرم اعوان
دارالعرفان منارہ ضلع چکوال 09-07-07

الحمد لِلّٰہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ حبیبہٖ محمد والہٖ واصحابہ اجمعین
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیمo
بسم اللہ الرحمٰن الرحیمo
الم نشرح لک صدرک o ووضعنا عنک وزرکo الذی انقض ظھرکo ورفعنا لک ذکرک o فان مع العسر یسراًo ان مع العسر یسراً oفاذا فرغت فانصب o والیٰ ربک فارغبo (سورۃ الم نشرح)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت اعلان توحید اعلان رسالت کو اُس پس منظر میں دیکھنا چاہیے کہ اس وقت روئے زمین کا ماحول کیسا تھا؟ اور لوگوں کی شعوری سطح کیا تھی؟

خوگرِ پیکر محسوس تھی انسان کی نظر
وہ اَن دیکھے خدا کو مانتی کیونکر

روئے زمین پر آبادیاں تھیں مختلف اقوام تھیں مختلف رنگ ونسل اور مختلف طور واطوار تھے، لیکن اس ایک بات پر سارے متفق تھے کہ پیکر محسوس کی پرستش کی جائے کوئی سورج کا پجاری تھا کوئی ستاروں کا کوئی جادوگروں کی پوجا کرتا تھا تو کوئی فرشتوں کی یہ جانے بغیر کہ جسکو پوجا جا رہا ہے، وہ غلط ہے بیکار ہے کفر ہے شرک ہے لیکن اس کا سامنے ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا خواہ وہ بت ہو یا انسان۔ اس حالت میں یہ کہنا کہ تمام دکھائی دینے والی چیزیں معبود نہیں ہوسکتیں سورج، چاند، ستارے، انسان، پتھر یہ سب مخلوق ہیں اور خالق و مالک معبود برحق صرف ایک ہے جو واحد ولاشریک ہے اس کا کوئی ثانی نہیں۔ اسکی کوئی مثل نہیں جو تمہاری نظر سے دیکھا نہیں جاسکتا تمہاری فکر اسے سوچ نہیں سکتی، تمہارا لمس اسے چھو نہیں سکتا، یہ بات اتنی عجیب اور اتنی بڑی تھی کہ اس سے بڑی بات کوئی ہو نہیں سکتی۔

تمام انبیاءؑ مختلف زمانوں میں آئے مختلف قوموں اور علاقوں کے لئے اُن کی مشکلات بھی علاقائی اور قومی سطح کی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی ساری انسانیت کیلئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین کے تمام فلاسفہ وحکماء صاحب عقل و خرد، صاحبِ اقتدار واختیار غرض ہر شعبہ زندگی کے مانے ہوئے معتبر ماہرین کو فرما دیا کہ چاند، سورج سے لے کر ستاروں سیاروں تک زمین کے ذرات سے تحت الثریٰ تک کائنات میں کوئی بھی ایسا نہیں جس کی عبادت کی جائے۔ عبادت نام ہی غیر مشروط اطاعت کا ہے یعنی صلوٰۃ وصوم، زکوٰۃ وحج کسی عبادت میں کوئی شرط نہیں کہ یہ کام ہوگا تو صلوٰۃ ادا کروں گا اور اس کام کے پورا ہونے کے لئے دیگر عبادات کروں گا ورنہ نہیں بلکہ فرمایا یہ عبادات اس لئے کرنی ہیں کہ اللہ نے فرض قرار دی ہیں یہ اللہ کا حکم ہے اور بات ختم۔ ایسے ماحول میں جہاں ہر شعبے کا آدمی خود کو بڑا معتبر اور اپنی رائے کو حرفِ آخر سمجھے بیٹھا تھا اُن سب کو یہ کہہ دینا کہ تم سب غلطی پر ہو یہ اتنی آسان

بات نہیں جتنی آج ہم سمجھتے ہیں۔ آج بڑے بڑے مسلمان دانشور، سائنسدان اور پروفیسر ٹی۔ وی مذاکرے میں بحث کر رہے تھے کہ روح کیا ہے؟ ان مسلمان پروفیسروں، دانشوروں میں سے کسی کے منہ سے یہ نہیں نکلا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روح ہے اور روح امرِ ربی میں سے ہے۔ اُن سب کے کہنے کا خلاصہ یہی تھا کہ روح اگرچہ نظر نہیں آتی لیکن روح ہے خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ مسلمان ہونے کے باوجود ان کی توجہ قرآن کریم کی آیت کریمہ کی طرف نہیں گئی کہ وہ قرآن کو اور ارشادِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی بطور حجت پیش کرتے اور کیسی عجیب بات ہے کہ اپنی بات کے ثبوت میں وہ کوئی سائنٹیفک دلیل بھی نہیں دے سکے جبکہ سائنس اپنے تجربات و مشاہدات اور اپنے سائنسی دلائل سے روح کو تسلیم کر چکی ہے۔ یہ تو آج کی مسلمانی کے دعویداروں کا حال ہے تو جب قرآن نہیں تھا، عہد فترت تھا عیسیٰ علیہ السلام کو پانچ سو برس گزر چکے تھے اُن کی تعلیمات مسخ کر دی گئی تھیں۔ توحید کا تصور ہی نہیں تھا کسی اَن دیکھی طاقت کی عبادت بت یا درخت انسان یا جانور سورج یا چاند ستارے سب کی پرستش ہوتی تھی لیکن دیکھ کر خوگر پیکر محسوس تھی انسان کی نظر۔۔۔ وہ اَن دیکھے خدا کو مانتی کیونکر

ایسے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ کا نعرہ بلند فرمایا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ کائنات دنیا و مافیہا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کی غیر مشروط اطاعت کی جائے لا الہٰ کہہ کر سب نفی کرنے کے بعد فرمایا الا اللہ ہاں! مگر ایک ہے جس کی عبادت کی جائے گی۔ اس پر ساری انسانیت کو دھچکا لگا کہ کہاں ہے اللہ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نعرہ توحید بلند کر دیا اور اس کی مخالفت میں جاہلوں نے سنگ باری کی، تکالیف اور مصائب مادی کا دروازہ کھول دیا اور ساتھ ہی عملی دنیا میں ایک سوال کھڑا ہو گیا کہ یہ کیسا الہٰ ہے جسے نہ دیکھ سکتے ہیں نہ جان سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں نہ اس کی کوئی مثال ہے نہ تصویر؟ اس کا جواب قرآن حکیم میں دیا گیا کہ دنیا میں موجود بڑے بڑے فاضل، عالم، فلسفی، سائنسدان، حکیم و دانا، مؤرخ و نکتہ دان سب کے بڑے بڑے سوالات کے پُرتشفی جوابات دینے کے لئے کیا ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک کھول نہیں دیا؟ **الم نشرح لک صدرک** ○ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر میں اتنے علوم انڈیل دیئے اور اتنے خزانے بھر دیئے کہ کسی کا کوئی سوال تشنۂ جواب نہ رہا۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی **ووضعنا عنک وزرک** ○ **الذی انقض ظہرک** ○ (سورۃ الم نشرح) پوری انسانی آبادی کی مخالفت اور اُن کے اعتراضات کا جو بوجھ آپ پر آیا وہ بوجھ اللہ کریم نے سینہ اطہر کو علم کے لئے وسیع کر کے اتار دیا۔ ذات عالی صفات پر سنگ باری کو برداشت کیا گیا لیکن علمی سوالوں کے لئے جواب میں خاموشی کی گنجائش نہیں اور علمی دلائل دیئے گئے۔ پوری دنیا کی دانش و بینش نے اعتراضات کی یلغار کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ وسعت علمی عطا ہوئی کہ اس وقت کے تمام حکما بھی اس کی وسعتوں کا اندازہ نہیں کر سکتے تھے اور قیامت تک کی ساری انسانیت کو دنیا و آخرت کے ہر مسئلے کا حل اور ہر سوال کا جواب عطا کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کافی ہیں۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں۔ ہم اپنے پر ہی قیاس کر کے قلیل سا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ کسی مجلس میں ہم وہ بات

کہیں جہاں ہر کوئی اس بات سے ناواقف ہو تو ہر شریک محفل ہم سے پوچھنا چاہے گا کہ یہ بات ہم نے کہاں سے سنی کہاں سے سیکھی کیسے تحقیق کی پھر اسے ثابت کرنے کے لئے دلائل دینے پڑیں گے تو جہاں تک بات جائے گی وہاں تک اس سوالات کا بوجھ بات کہنے والے پر آتا چلا جائے گا۔ فرمایا ہم نے آپ کو علوم کی وہ وسعت عطا کردی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واضح روشن دلائل دیئے کہ جن میں انسانیت کی رمق باقی تھی جہاں دل بگڑے نہیں تھے جنکی فطرت سلیم تھی وہ نتیجۂ عقل بھی سلیم تھی اُن کو ماننے کے سوا چارہ نہیں تھا اور جنہوں نے نہیں مانا وہ بھی یہ نہیں کہتے تھے کہ ہمیں جواب نہیں ملا بلکہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر معترض کوئی نہ رہا کوئی یہ نہ کہہ سکا کہ سوال کا جواب نہیں ملا ہاں یہ کہتے رہے کہ وہ نہیں مانتے۔ **الذی انقض ظھرک** آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات معمولی بوجھ نہیں تھا۔ ایک کمر توڑ بوجھ تھا۔ اللہ کا بوجھ اتار دیا اور اگر بے دلیل رہ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والے رہ گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے دلیل نہ رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ علوم لٹائے وہ جوابات دیئے کہ **ورفعنا لک ذکرک** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر خیر ہمیشہ کے لئے کائنات پر بلند رہے گا فرمایا پھر ہم نے آپ کا ذکر خیر انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا۔ **فان مع العسر یسراً ○ ان مع العسر یسرا ○** فرمایا دنیا عالم اسباب ہے یہاں قدرت باری کے بنائے ہوئے قوانین جاری و ساری ہیں یہ بھی فطرت کا قانون ہے کہ تکلیف کے بعد آسانی آتی ے جہاں دکھ ہوتا ے وہاں بیماری سے شفا بھی ہوتی ہے۔ یہاں پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ روز اوّل سے ہی آسانی کیوں نہیں ہو جاتی؟ فرمایا روزِ اوّل سے ایسا نہیں ہوتا یہ اللہ کا نظام ہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعرہ تکبیر بلند فرمایا تو سوالات کی یلغار ہوگئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب بوجھ آیا جب ضرورت آن پڑی تو ہم نے علوم کے خزانے انڈیل دیئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام سوالوں کے مدلل جواب دیکر ساری انسانیت کو خاموش کر دیا۔ جو خوش نصیب تھے ان کے قلبی تشفی ہوگئی اور انہوں نے مان لیا جنہوں نے نہیں مانا تو اپنی ضد سے نہیں مانا ورنہ لاجواب تو وہ بھی ہو گئے۔ فرمایا یہی ضابطہ فطرت ہے کہ محنت کے بعد پھل ملتا ہے۔ مجاہدے کے بعد ثمرات ملتے ہیں تکلیف ہوتی ہے تو رفع ہو کر آرام ملتا ہے۔ یہی نظام فطرت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بوجھ بھی یوں اتارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر ہمیشہ کے لئے فضاؤں میں گونجنے لگا اور قیامت تک گونجتا رہے گا۔

جہاں جہاں اذان دی جائے گی وہاں وہاں اللہ کی عظمت کی گواہی دی جائے گی اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اعلان رسالت ہوتا رہے گا۔ اللہ نے وقت کی رفتار ہی ایسی رکھی ہے کہ ایسا نہیں کہ کسی نہ کسی جگہ اذان بلند نہ ہو رہی ہو جہاں اشھد ان لا الہ الا اللہ کے ساتھ عظمت الٰہی کا اعلان ہوتا ہے وہاں اشھد ان محمداً رسول اللہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہوتا چلا جاتا ہے۔

فاذا فرغت فانصب ○ والیٰ ربک فارغب ○ اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ اپنے فرائض منصبی سے فارغ ہوں اور چند لمحے آپ کو فراغت ملے تو پھر اللہ کا ذکر کریں اپنے رب کی طرف متوجہ ہو جایا کریں۔

سمجھنے کی بات یہ ہے کہ فرائض کی تعین ہوگئی، عبادات مقرر ہوگئیں، عقائد متعین ہوگئے، اعمال مقرر ہوگئے لہٰذا شریعت پر عمل کرنا ذکر الٰہی ہے صلوٰۃ وصوم کی ادائیگی ذکر الٰہی ہے شرعی قاعدے کے مطابق کھیتی باڑی، تجارت، مزدوری، ملازمت کرنا ذکر الٰہی ہے۔ سنت کے مطابق کھانا، اہل وعیال کی دیکھ بھال، آرام یہ سب عملی اذکار ہیں تو پھر کس ذکر الٰہی کی یہاں بات ہورہی ہے؟ یہاں بتایا جارہا ہے کہ فجر اور ظہر میں ظہر اور عصر میں عصر اور مغرب میں مغرب اور عشاء میں اور عشاء و فجر میں کئی وقفے آتے ہیں کاروبار یا ملازمت کرتے ہیں اور درمیان میں چھٹی بھی آجاتی ہے فراغت کے لمحے بھی آجاتے ہیں امور دنیا انجام دیتے ہوئے وقفہ آجاتا ہے تو فرمایا جب یہ وقفے ملیں، فرائض وعبادات واعمال سے جب فراغت ہو تو اس وقفے کو خالی نہ جانے دیں۔ اس میں عظمت الٰہی کو قلب میں جما دیا جائے۔ یعنی کام میں وقفہ آئے اللہ کی یاد میں وقفہ نہ آئے اور اس کے لئے لفظ استعمال فرمایا فانصب نصب کے معنی ہیں قائم کرنا، گاڑ کر کھڑا کرنا، پیوست کرنا جیسے اُردو میں کسی جگہ پر جھنڈا نصب کرنا کہتے ہیں فرمایا اسم الٰہی کو، عشق الٰہی کو تعلق باللہ کو قلب اطہر میں نصب کر دیجئے۔

قرآن حکیم کا انداز یہ ہے کہ جو کام مومن کے زندگی بھر کرتے رہنے کا ہو اور اس کا کرتے رہنا انتہائی ضروری ہو اس کا حکم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا ہے تاکہ سب پر اس کی اہمیت واضح ہو جائے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیلئے استثناء نہیں تو پھر کسی کے لئے اس امر میں سستی کرنے کی گنجائش نہیں جیسے دنیاوی سطح پر کسی قانون کا نفاذ کیا جاتا ہے تو اس وقت کہا جاتا ہے کہ ملک کا حکمران بھی اس حکم سے بالا نہیں تو اس کا معنی یہ ہوتا ہے کہ پھر ملک کا کوئی شہری بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ اللہ کریم نے بھی اس حکم کی عظمت منوانے کے لئے اسے انبیاءؑ کرام کے لئے لازم قرار دے دیا ورنہ انبیاءؑ کو کبھی غفلت نہیں ہوتی۔ انبیاءؑ کے لئے کسی حکم کی تاکید دراصل تعلیم امت کے لئے ہے۔ جیسے موسیٰؑ اور ہارونؑ کو فرعون کی طرف بھیجا تو فرمایا **اذھب انت واخوک بایٰتی ولا تنیا فی ذکری** O آپؑ اور آپ کے بھائی میری نشانیاں لے کر جائیں اور میری یاد میں کوتاہی نہ کریں **اذھبا الیٰ فرعون انه طغیٰ** O فرعون کے پاس جائیں بے شک وہ سرکش ہوگیا ہے **فقولا له قولاً لیناً لعله یتذکر اویخشیٰ** O (سورہ طٰہٰ آیات 42 تا 44) اس سے نرمی سے بات کیجئے شاید وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے۔

اللہ کریم نے اپنے اولوالعزم رسول کی تربیت فرماتے ہوئے ہدایت کی کہ فرعون جیسے سرکش سے بھی نرمی سے بات کیجئے اُسے احساس دلایئے کہ تم کل پیدا ہوئے تھے اور کل مرجاؤ گے جیسے تمہارا باپ بھی خود کو خدا کہلواتا تھا پھر مرگیا تم انسانوں میں سے ہو تمہیں بھوک لگتی ہے صحت مند ہوتے ہو چوٹ لگتی ہے تم خدا کیسے ہو سکتے ہو لہٰذا اپنے مقام پر رہو۔ فرمایا یہ کام کرتے ہوئے میری یاد میں کمی نہ کریں یعنی یادِ الٰہی کی تاکید فرمائی اور اسے اوّل درجے میں رکھا گیا۔ اس واقعے میں بھی تاکیدی حکم نبی علیہ السلام کو دیا گیا ہے اور نبیؑ کے واسطے سے اُمت کے لئے تاکید مزید ہے کہ جس کام کو نبیؑ کے لئے درجہ اوّل میں کرنا لازم ٹھہرایا گیا وہ کام امت کے لئے کرنا لازم ہے۔ اس واقعے سے بھی یہی بات عیاں ہوتی ہے کہ نبیؑ

سے ذکر کا انقطاع تو ہوتا ہی نہیں نبی علیہ السلام کے وجود کا ذرہ ذرہ ذاکر ہوتا ہے کیفیات ذکر اُمت کو تقسیم کرتا ہے یہاں تک کہ جو لباس، جو پاپوش جو چیز بھی نبیؐ کے زیر استعمال ہو وہ اپنی حیثیت میں ذاکر ہو جاتی ہے جس جگہ نبی علیہ السلام کا قدم مبارک پڑ جاتا ہے اس زمین کے وہ ذرات تا قیامت ذکر کرتے رہتے ہیں تو پھر نبی علیہ السلام کو یہ فرمانا کہ ''میرے ذکر میں کمی نہ آئے'' سے کیا مراد ہے۔اس سے مراد یہ ہے کہ نبیؐ ذکر سے غافل تو ہرگز نہیں ہو سکتے لیکن یہ ہوسکتا ہے کہ ادھر توجہ کم ہو جائے اور فرعون کی طرف زیادہ ہو جائے ۔ وہاں یہ فرمایا کہ میری یاد کی طرف توجہ اوّل درجے میں رہے اور فرعون کی طرف ثانوی درجے میں یعنی یادِ الٰہی کو ذکر الٰہی کو دل میں نصب کرنے کو اوّلیت دی جائے ۔ بات وہی ہے اور پوری امت کو سمجھایا جا رہا ہے کہ ذکر قلبی اتنی اہم چیز ہے کہ ہر عمل میں اس کی ضرورت ہے ۔ صلوٰۃ میں یادِ الٰہی ہونا لازم ہے ۔ زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی کرتے ہوئے خلوص قلب کی ضرورت ہے، سوچ وفکر شعور وارادے ہاتھ پاؤں سارے وجود سے کیے جانے والے اعمال میں حضور قلب ضروری ہے للٰہیت ضروری ہے اور ان کاموں کے کرنے میں وقفہ آنا بھی ضروری ہے لہٰذا اعمال میں انقطاع آسکتا ہے دل میں غفلت نہ آئے دل میں ہر حال اللہ کی طرف محنت جاری رہے فاذا فرغت فانصب جیسے ہی فرائض کی ادائیگی سے فرصت پائیں تو فرصت کے ان لمحوں میں بھی ذکر الٰہی سے فارغ نہ ہوں۔ یہ قلبی کیفیت ہے یہ جاری رہے والی ربك فارغب متوجہ الی اللہ ہونا، رب کی طرف راغب ہونا اس کام میں وقفہ نہ آئے دل کی زمین پر ذکر الٰہی کی کھدائی ہوتی رہے اور ذکر الٰہی کو دل میں نصب کرنے کا کام ہمیشہ جاری رہے۔

دونوں کاموں کی اہمیت واضح کی گئی ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے اسباب ظاہری اختیار کرتے تندہی سے کام کیا جائے۔ ہر کام کے کرنے کا سبب اختیار کیا جائے لیکن اسباب کی حیثیت ثانوی رہے اوّلیت قلب کی حیات کو قائم رکھنے کو دی جائے اس آیت مبارکہ میں اسم رب استعمال فرمایا ہے جو اللہ کا صفاتی نام ہے اور اس میں بہت وسعت ہے ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت کو پورا کرنے پر قادر صرف اللہ ہے تو اسباب کا اختیار کرنا اسی کے ارشاد کی تعمیل ہے لیکن سکھایا یہ جا رہا ہے کہ اس کے ارشاد کی تعمیل کی طرف توجہ زیادہ رہے لیکن اس کی ذات کی طرف توجہ کم نہ ہونے پائے کہ اصل کام ذات باری کے قادرِ مطلق ہونے پر یقین کا پانا ہے۔ مثلاً بھوک لگے تو اسباب ظاہری اختیار کرتے ہوئے گندم پیسنا، آٹا گوندھنا، روٹی بنانا ایک ضروری عمل ہے تا کہ بھوک مٹے لیکن یہ تمام اعمال کر کے بھی بھوک نہیں مٹے گی بھوک اس ذات باری کے مٹانے سے مٹے گی جس کے حکم کی تعمیل میں بندے نے اسباب اختیار کیے۔

اللہ کے ایک ولی حج کے لئے گئے اور حرمین میں تین ماہ رہے، تین ماہ انہوں نے نہ کچھ کھایا نہ پیا، نہ حاجت کی۔ کسی نے ان سے کہا کہ آپ نے خلاف سنت عمل کیا ہے انہوں نے فرمایا حرمین کی زمین پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تریسٹھ برس گزرے ہیں۔ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدوم مبارک لگے ہیں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری گزری ہے اور میں نہیں جانتا کہ کس کس جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش پا ہیں لہٰذا اگر میں کھاتا پیتا تو

حاجت کے لئے کہاں جاتا۔ لہٰذا اللہ نے مجھے صبر بھی دے دیا ہے اور طاقت بھی دے دی ہے۔ یہ باتیں عقلاً سمجھنا محال ہے یہ معاملات کیفیات قلبی کے ہیں یہ قلبی واردات کی باتیں ہیں جب قلب زندہ ہوتو ان باتوں کی سمجھ آتی ہے اور یہ دولت نصیب نہ ہوتو اچھی اچھی باتیں سن کر بھی بندہ خاموش ہو جاتا ہے کہ کہہ رہا ہے تو ٹھیک ہی کہہ رہا ہوگا۔ ویسے بات پلے نہیں پڑتی۔ تو اللہ کریم توفیق ارزاں فرمائیں۔ قلب زندہ دیں اپنی یاد کو ہمارے دلوں میں نصیب فرمائیں۔ زندگی میں موت میں مابعد الموت میں یہ خزانہ نصیب رہے۔ یہ اللہ کی عطا ہے اور اس کا احسان ہے کہ کسی ایسے در پر پہنچا دیا جہاں خالی رہنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ خطرہ تو اپنے آپ سے ہوتا ہے کہ اللہ ہمیں توفیق دے ہم اپنے آپ کو اس پر قائم رکھ سکیں۔ خطرہ اپنی ذات اور اپنے نفس سے بھی اس وقت ہوتا ہے جب **والی ربك فارغب** میں ذرا سا بھی فرق آجائے۔ بڑے بڑے عابدو زاہد لوگ گمراہ ہوگئے کیوں؟ یہی وجہ تھی کہ اللہ کی طرف سے توجہ ہٹ کر اپنی طرف آگئی کہ میں بھی کچھ ہوں۔ اسی لئے اللہ نے انبیاءؑ کو متوجہ الی اللہ ہونے کی تاکید فرما کر امت کی تعلیم فرما دی کہ اگر انبیاء کرامؑ اور انبیاءؑ کے بھی نبی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا گیا ہے کہ متوجہ الی اللہ ہونے کو اوّلیت دی جائے جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ الی اللہ ہونے میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تو پھر افراد امت کے لئے یہ کتنا اہم کام ہے۔ لہٰذا کوئی شیخ ہے یا صاحب مجاز یا نیا آنے والا طالب علم سب کو اس پر کاربند رہنا ہے۔ ذکر قلبی کی اہمیت ہی اتنی ہے کہ اس میں چھٹی کا کوئی تصور نہیں باقی تمام اعمال میں وقفے آتے ہیں۔ ہر کام میں مشغولیت بھی ہے اور فراغت بھی لیکن ہمہ وقت کرنے کا کام ذکر قلبی ہے جسے جاری کرنے قائم رکھنے کے لئے ذکر کرنا ضروری ہے اور اس کا حاصل عظمت الٰہی کا حصول ہے اور اسے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی توجہ کو عظمت باری پر قائم رکھنا ہے اللہ سے توجہ ہٹ گئی تو کسی اور طرف جائے گی لہٰذا یہ کام ہمیشہ جاری رکھنے کا ہے۔

وَآخر دعوانا عن الحمد لله رب العلمين

☆......☆......☆

دعائے مغفرت:

1. سلسلہ عالیہ کے ساتھی احمد دین اور صوفی محمد بشیر امیر جماعت ستراہ کے ماموں وفات پاگئے ہیں۔
2. مہر الطاف حسین خان شورکوٹ (جھنگ) وفات پاگئے۔
3. سپیشل کلاس کے ساتھی لالہ شیر محمد (خوشاب) وفات پا گئے۔
4. سلسلہ کے ساتھی مولانا عطا الرحمٰن فاروقی (سمندری) وفات پاگئے ہیں۔

ان سب کے لئے ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے

اطلاعِ عام:

دورانِ اعتکاف خواتین اور بچوں کو دارالعرفان منارہ ضلع چکوال آنے کی اجازت نہیں ہے۔ (ادارہ)

مقصد سلوک

سلوک قربِ الٰہی کا نام ہے اور قربِ الٰہی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ جیسے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ ہر لحہ پہلے کی نسبت زیادہ ترقی پاتی ہے۔ آپ ظاہری طور پر بھی اندازہ فرمالیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد کائنات بسیط میں کوئی اللہ کا نام لیتا ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا معلم ہے۔ کوئی پیشانی سجدہ کرتی ہے تو وہ سجدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا۔ کوئی اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھائی۔ کوئی اللہ سے محبت کرتا ہے تو وہ محبتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقسیم فرمائیں۔ تو گویا کائنات کا ہر فرد جتنی عبادت کرتا ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ ہے۔ صرف بعثت کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے جس قدر انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں تشریف لائے وہ بھی برکات محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امین تھے۔

(اقتباس از طریق نسبت اولیسیہ)

تعاون
احمد دین ٹیکسٹائل ملز لمیٹڈ
مینوفیکچررز آف پی سی یارن
پُل کوریاں سمندری روڈ فیصل آباد فون 2-041-266757

رمضان کی برکات

امیر محمد اکرم اعوان

ایمان و احتساب کا مہینہ: ماہِ مبارک اپنی برکات، اپنے انعامات اور اللہ کی بخشش اور عطا کے اعتبار سے تمام مہینوں کا سردار مہینہ ہے جسے اللہ جل شانہ نے اپنا مہینہ قرار دیا ہے اور جس کا ایک ایک دن عمر بھر کی خطاؤں کی بخشش کے لئے کافی ہے۔ ارشاد ہے رسول اللہ ﷺ کا۔ **من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفرلہ ما تقدم من زنبہ** اوکما قال رسول اللہ ﷺ کہ ایمان و احتساب سے اللہ پر یقین، ضروریات دین پر اور آخرت پر یقین کے ساتھ اپنی زندگی کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی خطاؤں کی بخشش چاہتے ہوئے اپنے گناہوں اور لغزشوں کو پیشِ نظر رکھ کر جس نے اللہ سے بخشش طلب کی اور ماہِ مبارک کا روزہ رکھا تو ایک روزہ زندگی بھر کی خطاؤں کی بخشش کے لئے کافی ہے۔ اس طرح اس کی ایک ایک رات **من قام رمضان ایمانا و احتسابا**۔ جس نے رمضان کی رات کو قیام کیا۔ کسی بھی رات کو۔ ایمان و احتساب یہ دو شرائط اس میں بھی ہیں یقین ہو اللہ پر، اللہ کے حبیب ﷺ پر، ضروریات دین پر، آخرت پر اور احتساب کرتے ہوئے اس کیفیت کے ساتھ جس نے ایک رات کا قیام کیا اس رات سے پہلے کی ساری زندگی کی خطاؤں کی بخشش کے لئے کافی ہے اور محققین کے مطابق جس نے عشاء باجماعت پالی اور فجر باجماعت ادا کی وہ قائم اللیل شمار ہوتا ہے۔ گویا اس نے ساری رات قیام کیا۔

عشروں کی فضیلت: جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ اس کا پہلا عشرہ رحمت عامہ کا ہے۔ جس میں رحمت باری کا سیلاب اُمڈتا ہے اور رحمت باری ہر لحظہ ہر آن پورے جوبن سے برس رہی ہوتی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے کاسۂ دل کو سیدھا رکھا اور رحمتِ باری سے بھر لیا۔ اگر کہیں کمی ہوتی ہے تو ٹیڑھا پن کاسۂ دل میں ہوتا ہے۔ باران رحمت میں کمی نہیں ہوتی کہیں ہمارے اعتقاد کی کمزوریاں، کہیں رسومات کی پیروی، کہیں ہمارے کردار کی خامیاں کاسۂ دل کو ٹیڑھا کر دیتی ہیں اور اس میں کجی آجاتی ہے اور خدانخواستہ عقیدے میں خرابی آئے تو کاسۂ دل الٹ جاتا ہے اس میں کچھ نہیں پڑتا۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہوں نے کاسۂ دل کو سیدھا رکھا اور رحمتِ باری سے بھر لیا۔

واوسطہ مغفرۃ ۔ اور اس کا درمیانی عشرہ بخشش کا ہوتا ہے۔ ہر طالب کے لئے بخشش عام ہوتی ہے۔ اور آخری عشرہ دوزخ سے برأت کی ضمانت دی جاتی ہے۔ جس طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اصحابِ بدر کے لئے دی تھی جس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عشرہ مبشرہ کے لئے دی کہ یہ دس لوگ قطعی جنتی ہیں۔ اس طرح سے آدمی کو جنتی ہونے کی سند مل جاتی ہے۔

بخشش کی نشانی: ایک سوال یہاں تشنہ رہ جاتا ہے کہ عشرہ مبشرہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتا دیا ان کے جنتی ہونے کی خبر دے دی اصحاب بدر کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خبر دی تمام صحابہ کو اللہ نے رضی اللہ عنھم کہہ کر اپنی رضا کا سرٹیفکیٹ دے دیا قرآن نے خبر دے دی سب کے جنتی ہونے کی

لیکن آج اس عشرہ رمضان میں جسے دوزخ سے برات کی سند مل گئی اسے کون بتائے کیسے پتہ چلے؟ اس کا معیار ہر شخص کے اپنے اندر موجود ہے۔ اگر دوزخ سے برات کی سند مل گئی تو اہلِ دوزخ جیسے کام کرنے سے نفرت پیدا ہو جائے گی یہ پوری توجہ سے نوٹ فرما لیجئے۔ اور ایسے کام کرنے کی رغبت بیدار ہو جائے گی جو اہل جنت کو سزاوار ہیں یہ معیار ہے اس کی بخشش کا۔

رمضان المبارک کو اپنے نقوش ثبت کرنے چاہیں عملاً اور شکلاً جو روزہ ہے کہ کھانے پینے سے رک گئے یا اور امور سے رک گئے یہ پابندی تو ختم ہوگئی۔ رمضان المبارک کا مہینہ تو گزر گیا لیکن ہر خطا سے رکنے کی پابندی کو اگر طبیعت میں جگہ دے گیا تو رمضان گیا نہیں رمضان موجود ہے۔ اگر جھوٹ بولنے سے ڈر لگتا ہے تو رمضان موجود ہے، اس کی برکات موجود ہیں۔ اگر حرام کھانے سے ڈر لگتا ہے تو رمضان موجود ہے، اس کی برکات موجود ہیں۔ اطاعت الٰہی کی رغبت باقی ہے تو رمضان باقی ہے۔ اسکی برکات باقی ہیں اور اگر یہ چیزیں نصیب نہیں ہوئیں تو پھر واقعی گزر گیا اور یاد رکھیں گزرے ہوئے لمحات لوٹا نہیں کرتے کہ اطاعت الٰہی کی توفیق ہو جائے۔ یہ ایک مجاہدہ اضطراری ہے وہ مجاہدہ جو حکماً کرایا جاتا ہے۔ مجاہدے کی دو قسمیں ہیں ایک اختیاری جو ہم اپنی مرضی سے کرتے ہیں۔ ایک اضطراری جو حکماً کرایا جاتا ہے تو یہ ایک مجاہدہ ہے اور اس کے ثمرات کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ روزے کی برکت یہ ہے کہ اللہ سے کلام کرنے کا شرف صرف دل کو نصیب ہے۔ زبان ماو شما سے بات کرنے کے لئے ہے۔ زبان مخلوق سے بات کرنے کے لئے ہے۔ اللہ سے بات کرنے کے لئے دل ہے اگر دل میں شعور بیدار ہو گیا تو اس نے رب کو پہچانا، اگر دل میں یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ اس نے اپنے رب کا نام لیا، اگر دل میں یہ طاقت پیدا ہوگئی کہ اس نے اپنی آرزو اپنے رب کے سامنے پیش کر دی تو اس کے رد ہونے کا کوئی امکان نہیں۔

ایمان کی حقیقت: قارئین گرامی! صدیوں کے فاصلے نے جہاں ہمارے ایمان و یقین میں دراڑیں ڈال دیں اور یہ بڑی دردناک بات ہے اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا ایمان تو بڑا مضبوط ہے۔ یاد رکھیے جو ایمان اللہ کی نافرمانی سے روکنے کا کام نہیں کرتا وہ مضبوط نہیں۔ وہ کمزور ہے۔ جو ایمان حرام کھانے کو برداشت کر لیتا ہے اور حلال پہ اصرار نہیں کرتا اور حرام سے روک نہیں سکتا وہ کمزور ہے جو ایمان فرائض کی پابندی سے محروم انسان کے ساتھ گزارا کرتا ہے وہ کمزور ہے۔ آج ہمارے ایمان میں دراڑیں پڑ چکی ہیں جو رسومات ہم نے خود ایجاد کیں انہیں ہم اپنے لئے باعث عزت سمجھ کر پوری پابندی سے ہم ان پر عمل کرتے ہیں وہ شادی کی ہوں، جنازے کی ہوں، مرنے والے کی ہوں یا پیدا ہونے والے کی۔ ہر ہر رسم کو ہم فرض عین سے زیادہ اہمیت دے کر نبھاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس میں ہم اپنی اور اپنے ذاتی وقار کو داؤ پر نہیں لگا سکتے۔ جب اطاعت الٰہی کی بات آتی ہے تو ہم نرم پڑ جاتے ہیں۔ طبیعت خراب ہو تو نماز چھوٹ جاتی ہے۔ مہمان آ جائیں تو ذکر الٰہی رہ جاتا ہے۔ حلال و حرام کی تمیز بہت کم کی جاتی ہے۔ یہ کمزور ایمان ہے۔ صدیوں کے فاصلے نے اسے کمزور کر دیا بڑی جرأت کا کام ہے کہ کوئی چودہ سو سال دور بیٹھ کر آج بھی اپنے دل میں جمال مصطفی ﷺ محسوس کرے اور اپنے دل میں ان ارشادات کی لذت محسوس کرے جو محمد

رسول اللہ ﷺ نے فرمائے تھے۔ بڑی ہمت کی بات ہے کہ چودہ سو سال دور بیٹھ کر آج بھی اسے توحید باری اسی طرح عزیز ہو جس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے تلقین فرمائی تھی۔ آج بھی اس کے سجدوں میں وہ سوز ہو۔ اس کی اذانوں میں وہ گرج ہو۔ اس کے کردار میں وہ مضبوطی ہو اور اس کی فکر میں وہ حیات ہو اس کی نگاہوں میں وہ حیا ہو اور اس کی زبان پر اسی طرح سے حق ہو۔

مانگنے کی چیز: جس چیز کو رب العالمین سے مانگنا چاہئے ہم بیوقوف ہیں کہ ہم اس سے وہ بات مانگتے ہیں جو از خود اس نے دینے کا وعدہ کرلیا ہے۔ ہم اس سے رزق مانگتے ہیں رزق دینے کا ذمہ اس نے خود لے لیا ہے۔ رب العالمین سے ہم اولاد اور صحت مانگتے ہیں۔ ہم زندگی مانگتے ہیں۔ ارے یہ ساری چیزیں اس نے اپنے ذمے لے لی ہیں اور وہ ان کو بھی دے رہا ہے جو اس کو مانتے ہی نہیں۔ کافر و مشرک بھی آپ کو صحت مند نظر آئیں گے، بے دین بھی اپ کو صاحب اولاد نظر آئیں گے، بدکار بھی اپ کو مال دار نظر آئیں گے۔ لیکن ہر کوئی صاحب درد اور صاحب دل نہیں ہوگا مانگنے کی چیز ہے کہ دل زندہ مانگو۔ دل پر درد مانگو وہ دل مانگو جس میں آج بھی اس کی ذات اور اس کی تجلیات برستی ہوں۔ وہ دل مانگو جس میں آج بھی عشق رسول ﷺ ہو، وہ دل مانگو جو آج بھی جمال مصطفوی ﷺ کا طالب ہو، وہ دل مانگو جس میں شہادت کی آرزو ہو، وہ دل مانگو جو اس کے وصال کا طالب و، وہ چیز مانگو جو مانگنے والوں کو ملا کرتی ہے، وہ چیز مانگو جو وہ اپنوں کو دیتا ہے اور جسے دیتا ہے اسے اپنا بنالیتا ہے آج کے لمحے دعا کی قبولیت کے ہیں۔ ضرور مانگو اور یاد رکھو! ایک دل زندہ مل جائے دو عالم میں کسی چیز کے مانگنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر چیز دل زندہ کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ دین خالص مانگو، وہ شعور مانگو جو نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے پروانوں کو دیا تھا۔ زندگی کے لئے ایک ہی راستہ اللہ سے طلب کرو اور وہ راستہ ہو سنت رسول ﷺ کا۔ ہم نے دین کھو دیا ہے اور ہم نے اس کی تعبیریں گھڑ لی ہیں۔ یہ تعبیریں اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے لئے تو درست ہیں اس کی بارگاہ میں مقبول نہیں ہوں گی۔ ایک اصول دے دیا رب جلیل نے اور پوری توجہ اور دلجمعی سے ان اصولوں کو یاد کر لیجئے۔ یہ دنیا ایک میلہ، ایک بازار ہے۔ آرہے ہیں لوگ جا رہے ہیں۔ کتنے احباب، کتنے عزیز، کتنے بزرگ اور کتنے دوست پچھلے رمضان کو ہمارے ساتھ تھے آج وہ نہیں ہیں۔ لہٰذا ہم سب کو بھی اس اہمیت سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اللہ کریم توفیق عمل دے۔

درج ذیل بیماریوں کے علاج کیلئے رجوع فرمائیں

1. زنانہ، مردانہ بانجھ پن، 2. ہیپاٹائٹس B & C، 3. بلڈ کینسر 4. دل کی شریانیں اور والو بند ہونا

دل کی آپریشن کروانے سے پہلے ایک بار ضرور رابطہ کریں

ادویات بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں گی۔

رابطہ کیلئے:

0345-8960642

اوقات رابطہ: دن 2:00 تا 4:00 بجے

(اس کے علاوہ زحمت نہ کریں)

دعوت عام

اعتکاف دارالعرفان ضلع چکوال

یک زمانہ صحبت با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

رمضان المبارک کی ہر ساعت برکات الٰہی کا مصدر و مسکن ہے، پہلا عشرہ رحمت، دوسرا مغفرت اور تیسرا دوزخ کی آگ سے نجات ہے یوں تو سارا مہینہ ہی تربیت نفس کا ذریعہ ہے لیکن آخری حصے کو اللہ کریم نے معتکفین مرد و زن کے لئے خاص کر دیا، آؤ اور اس کی رحمتوں سے جتنا سمیٹ سکتے ہو لے جاؤ، کسی کا دامن تنگ ہو تو ہو اس کی رحمت تو بے حساب ہے اور آمادہ کرم بھی مزید یہ کہ آخری عشرہ کی ہر طاق رات میں لیلۃ القدر کو تلاش کرنے کا حکم ہے

شیخ سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ حضرت مولانا محمد اکرم اعوان فرماتے ہیں:

''رمضان کے آخری عشرے کی ہر طاق رات میں دنیا کے کسی نہ کسی گوشے میں لیلۃ القدر ضرور ہوتی ہے، ہر شب کی محنت منشائے الٰہی ہے ورنہ خود کسی ایک رات کو مخصوص کر دیتا۔ (اقتباس از بیان لیلۃ القدر)

دوران اعتکاف ذکر پاس انفاس اور صحبت شیخ حاصل کرنے دنیا کے جھمیلوں اور شور شرابے سے نجات پا کر سینکڑوں مخلصین ملک کے گوشے گوشے سے دالعرفان منارہ (چکوال) حصول تقویٰ کے لئے کوشاں ہوتے ہیں جہاں کا ماحول ہر قسم کے تعصب اور افراط و تفریق سے پاک ہے۔

امت مسلمہ آج جن مشکلات سے دو چار ہے ایسے میں ہمارا علاج نیتوں کی اصلاح اور دامن مصطفی ﷺ سے مکمل وابستگی، کیونکہ اسلام نام ہی محمد ﷺ کی مکمل اطاعت کا ہے ہم سب کی ذمہ داری ہے کہ اپنی ذات کے ساتھ ساتھ معاشرے کی اصلاح کریں، ذاتی مصروفیات سے 10 روز کے لئے اللہ پاک کی خصوصی رحمتوں سے حصہ پانے کے لئے رضائے الٰہی کے طالب بن کر آپ بھی اس قافلے میں ضرور شریک ہوں، دس روز ممکن نا ہوں تو سات، پانچ یا تین روز یا کم سے کم ایک دن کا نفلی اعتکاف تو ضرور کریں، اللہ کے مہمان بن کر آئیں اور ہمارے شیخ کی میزبانی سے وہ برکات رسول اللہ ﷺ حاصل کریں جو آپ کے قلب اطہر اور نسبت سے نصیب ہوتی ہے، مجاہدہ وہ کام نہیں کر سکتا جو ایک نگاہ کر سکتی ہے یہاں معتکفین کو تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب کے خصوصی تربیتی پروگرام سے گزارا جاتا ہے۔

اللہ والوں کی اس بستی میں کچھ ساعتیں گزارنے سے آپ کا دل پریشانیوں سے محفوظ اور کدورتوں سے پاک ہوگا۔ دل محبت رسول ﷺ اور عشق الٰہی سے لبریز ہوگا اور یوں ہم گناہوں کی دلدل سے نکل سکیں گے بس اس کے لئے شرط صرف خلوص کی ہے۔

قارئین کرام ظلمتوں کے اس دور میں فرد یا معاشرے کی اصلاح کے لئے ایسی محنت بے حد ضروری ہے ورنہ نہ تو حاجیوں کی کمی ہے نہ نمازیوں کی۔

رہ گئی رسم اذان روح بلالی نہ رہی

جذب دوروں کا فقدان ہے۔ اعتکاف تو لوگ کر ہی رہے ہیں اگر آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کرنا ہے تو پھر ایسے گوشے کا انتخاب کریں جہاں معتکف ہونے کا حق ادا کر سکیں رب کریم کی معیت دائمی نصیب ہو اور محبت رسول اللہ ﷺ آپ کو اطاعت الٰہی پر مجبور کر دے۔

سوال و جواب

امیر محمد اکرم اعوان

سالانہ اجتماع، دارالعرفان 09-07-08

سوال: انسان جب خلوص کے ساتھ ذکر کرتا ہے تو پھر بعد میں اپنی بڑائی اور اس کی نمائش کا خیال کیسے پیدا ہو جاتا ہے؟

جواب: ہوتا یہ ہے کہ جب انسان خلوص سے کوئی کام کرتا ہے تو اس وقت وہ تہی دامن ہوتا ہے اس چیز کو حاصل کرنے کے لئے پھر وہ کاوش کرتا ہے۔ تو جب بندے کا دامن خالی ہو تو اس میں بڑائی کس چیز کی آئے۔ تہی دامن کو کس چیز کا تکبر ہو گا اور کس چیز کی وہ نمائش کرے گا پھر جب وہ محنت کرتا ہے اور اُسے کچھ حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے تو اُسے اپنے پاس کچھ ہونے کا احساس ہو جاتا ہے پھر وہ اس پر اترانے لگتا ہے اور یہیں سے بات بگڑنا شروع ہو جاتی ہے۔ دنیاوی معاملات میں بھی یہی کچھ ہوتا ہے بندہ غریب ہو تو متواضع ہوتا ہے اس میں اکڑ نہیں ہوتی اور جب اللہ اُسے آسودہ حال کر دے تو رویہ بدل جاتا ہے پھر اس کے سوچنے بات کرنے، ملنے جلنے کے انداز بدل جاتے ہیں پھر اس میں وہ تواضع نہیں رہتی۔ حصول اخلاص کا راستہ بھی اسی خطرے کی گھاٹی سے گزرتا ہے۔ تو بندے کو یہ احساس قائم رکھنا چاہیئے کہ اتنی محنت اور مجاہدے کا مقصد ہی یہی ہے کہ جب اللہ اپنی طرف آنے کے راستے پر چلا دے، بندے کو کچھ نصیب ہو جائے تو وہ اپنی اصل کو نہ بھولے وہ اس حال پر قائم ہو جائے اور اسے پتہ ہو کہ اس کا اپنا کچھ بھی نہیں ہے اس کی اپنی ذات بھی اس کی نہیں ہے سب کچھ اللہ کا ہے اس نے اپنی نعمت عطا کی ہے ورنہ محض محنت سے کوئی نعمت حاصل نہیں ہوتی۔ اللہ کے دینے سے ہوتی ہے۔ اگرچہ محنت کرنا بھی فرض ہے اور انسانی کوشش کو اللہ ضرور بارآور کرتا ہے، لیکن دینے والی ذات اللہ کی ہے لہٰذا حقیقی مالک بھی وہی ہے دنیا چونکہ عالم اسباب ہے لہٰذا یہاں وقتی اور عارضی طور پر اللہ اپنی نعمتیں انسان کی ملکیت میں دے دیتا ہے۔ قرآن حکیم میں قارون کے واقعے سے بھی یہی عبرت دلائی گئی ہے کہ قارون کے پاس اتنی بے بہا دولت تھی کہ اس کے خزانوں کی چابیاں اٹھانے والے بھی قافلوں کی صورت میں ہوتے تھے جب اس سے کہا گیا کہ اس مال پر زکوٰۃ دو اور اللہ کے دیئے ہوئے مال کو اُن کے حقداروں تک پہنچاؤ تو کہنے لگا کہ یہ مال تو میری عقلمندی اور میرے علم و تجربے کے نتیجے میں میری محنت سے مجھے ملا یہ میں اسے کسی کو کیوں دوں؟ یہ تو میری قابلیت کا کمال ہے کہ میں نے اتنا مال جمع کر لیا۔ قرآن حکیم انسان کے اسی مزاج کی نشاندہی کرتا ہے کہ بندے کے پاس کچھ ہو تو وہ اسے اپنا ذاتی کمال سمجھتا ہے اور اللہ سے ناآشنا رہتا ہے اور کچھ نہ بھی ہو تو بندہ خود کو بڑا دانشور سمجھتا ہے اور مفروضوں پر اکڑتا ہے۔

شیخ کو یہ گھمنڈ ہے کہ اس نے بہت کچھ حاصل کر لیا لیکن سوائے گھمنڈ کے اُسے کچھ بھی حاصل نہ ہوا۔ عموماً ایسا ہی ہوتا ہے کہ جس کے پاس کچھ نہیں ہوتا وہی اپنی دانش بگھارتا ہے۔ اور جیسے معرفتِ الٰہی کا پہلا اور آخری مقام یہی ہے کہ بندے کو یہ احساس ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے۔ میں اللہ کی عطا کا ہر دم محتاج ہوں۔ میرے بس میں ذاتی طور پر کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ احساس حاصل ہو جائے تو یہ قرب الٰہی کے حصول کی بنیاد بنتا ہے اور جوں جوں کسی پر اللہ کی رحمت ہوتی جاتی ہے اس احساس میں اُسے ترقی نصیب ہوتی رہتی ہے۔ انسانی مزاج، اس کے دنیاوی حالات اور ماحول اس بندے کو متاثر کرتے رہتے ہیں اس لئے کہ وہ انہی میں رہتا بستا ہے لیکن اگر بندے کو معرفت الٰہی حاصل ہو تو ان سب چیزوں کا مقابلہ آسان ہو جاتا ہے۔ اور اگر بندہ بہک جائے اور کسی

کو اپنے کمال یا اپنی بڑائی کا احساس ہونا شروع ہو جائے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ عظمت باری اس کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی ہے اُسے یہ یقین نہیں رہا کہ اللہ بڑا ہے، بڑائی اسی کو سزاوار ہے اور وہ تو محض بندہ ہے۔ اپنے بندہ ہونے کا احساس قائم رکھنا ایک دن کے لئے نہیں یہ نہ انسان کوئی مشین ہے کہ ایک دفعہ چلا دیا تو اسی ڈگر پر ہمیشہ چلتا رہے گا انسان کے پاس مرتے دم تک اختیار و ارادہ بھی موجود ہے پسند و ناپسند بھی موجود ہے۔ اس کے علم میں بھی کمی وبیشی ہوتی رہتی ہے وہ کسی وقت بھی کسی طرف مڑ سکتا ہے اسی لئے فرمایا واعبد ربك حتیٰ یاتیك الیقین۔ اللہ کی اطاعت پوری محنت، مجاہدے اور پورے خلوص سے کرتے رہو۔ "یقین تک پہنچ جاؤ" سے مراد یہ ہے کہ جب برزخ کھل جائے وہ حقائق سامنے آجائیں جن پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں وہ حقائق جنہیں سن کر مانا ہے وہ سامنے آجائیں تو تب تک اطاعت الٰہی پر کمر بستہ رہو جب تک بدن میں روح موجود ہے تب تک مسلسل محنت کرتے رہو۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے جہاد اکبر قرار دیا ہے کہ ہر لحہ ایک جہاد ہے ہر گھڑی ایک امتحان ہے اور اللہ کریم نے انسانی مزاج بھی ایسا بنایا ہے کہ اسے ہر گھڑی کسی نہ کسی بات پر اپنی بڑائی کا احساس دامنگیر رہتا ہے اور یہ مسلسل کی جانے والی محنت ہے۔ اس آزمائش سے انسانیت کا کوئی طبقہ بچا ہوا نہیں خانہ بدوشوں کی مثال لے لیجئے اِن کا کوئی گھر گھاٹ نہیں ہے ایک انچ زمین ان کی ملکیت نہیں ہے کہیں بھی اپنے عارضی خیمے تان لیتے ہیں صبح اٹھ کر مانگنے نکل پڑتے ہیں لیکن انانیت اُن میں ہم سے بھی زیادہ ہوتی ہے وہ بھی ایک دوسرے پر مسلط ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات ہر فرد و بشر میں موجود ہوتی ہے کہ میں بہت بڑا ہوں میرے جیسا کوئی نہیں اور ساری زندگی اس وسوسے کو ہوا دینے میں ابلیس محنت کرتا رہتا ہے وہ یہ وسوسے ڈالتا رہتا ہے کہ تم تو خود بڑے عقلمند ہو تمہیں کسی کی بات نہیں سننی چاہیے تمہیں کسی کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے یہ مرض چھوٹی چھوٹی باتوں سے بڑھتا ہوا بارگاہ الوہیت تک چلا جاتا ہے۔ عبادات اسی مرض کو دور کرنے کی دوا ہیں دن میں پانچ بار تو صلوٰۃ فرض ہے کہ بندہ دن کی ابتداء اللہ کے حضور رکوع وسجود سے کرے دوپہر ڈھلے تو وضو کر کے تازہ دم ہو کر رکوع وسجود کرے اور اپنی عاجزی کا اظہار کرے اللہ کی عظمت کا اقرار کرے دن ڈھلے عصر کے وقت بارگاہ ایزدی میں حاضر ہو۔ سورج ڈوب جائے تو پھر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائے اور سونے سے پہلے پھر اللہ کی بارگاہ میں اپنی عاجزی و نیاز مندی اور اللہ کی عظمت کا اظہار کرے اس سب کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ بندے کا یہ احساس پختہ ہو جائے کہ وہ کچھ نہیں ساری عظمتیں اللہ کے لئے ہیں اور سارے کمال اُسی کے لئے ہیں۔ اگر میرے پاس کچھ مال و دولت ہے تو اللہ کی عطا ہے اس کی امانت ہے اس کے حکم کے مطابق خرچ کرنا ہے۔ اگر میں کسی چیز سے محروم ہوں تو اللہ نے نہیں دی اور اللہ اگر دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا وہ اگر روک لے تو کوئی دے نہیں سکتا۔ یہ ایسی ضروری باتیں ہیں جن کو اہم نہیں سمجھا جاتا اس لئے انہیں رسمی طور پر لے لیتے ہیں اور اس کے اثرات ونتائج پر نظر نہیں کرتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کا مفہوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ خطرہ امت کے ان علماء سے ہے جو دنیا کی خاطر دین کو بیچ دیتے ہیں۔ غور کرنے کا مقام یہ ہے کہ دنیا میں بہت سے اور خطرات بھی ہیں مثلاً بے شمار لوگ ظالم ہیں چور، ڈاکو ہیں قاتل اور دہشت گرد ہیں، خودکش حملہ آور ہیں جو خود بھی تباہ ہوتے ہیں دوسروں کو بھی تباہ کرتے ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان خطرات میں سے کسی خطرے کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ فرمایا کہ اپنی امت کے لئے مجھے بہت خطرہ ان علماء سے ہے جو دنیا کے حصول کے لئے دین بیچ دیتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ قاتل یا ڈاکو جان اور مال کا نقصان کرتے ہیں لیکن کوئی دین کے نام پر اپنے مفادات کی خاطر لوگوں کو گمراہ کرتا ہے تو وہ سب سے بڑا ڈاکو ہے جو لوگوں کا ایمان چھین لیتا ہے اور اب ایسا دور آ گیا ہے کہ دین کے نام پر فرقہ بندی اور گروہ بندی ہوتی ہے ایسی جماعتوں کا مقصد صرف حصول زر ہے ان میں سے کسی کا مقصد مخلوق کی بھلائی نہیں۔ بڑے بڑے خوبصورت نام رکھ کر لوگوں کو گمراہی میں مبتلا کیا جا رہا ہے۔ تو یہ عہد بہت احتیاط اور باریک بینی کا عہد ہے۔

اخلاص ہر عمل کی قبولیت کی شرط ہے اور اخلاص دل میں ہوتا ہے چونکہ دین کے کام کی بنیادی شرط ہی خلوص ہے اس لئے ساری توجہ اس پر مبذول رہنی چاہیے لیکن آج ہر ایک کی مصیبت یہ ہے کہ ہم دوسروں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن پر تنقید کرتے ہیں اور اپنے محاسبے سے بے خبر رہتے ہیں بہتر یہ ہے کہ سب سے پہلے اپنا جائزہ لیا جائے کہ میری سوچ اور فکر کیا ہے جو میں کر رہا ہوں میرا مقصد آخرت یا اللہ کی رضا ہے یا دنیا جمع کرنا ہے یا یہ کام کرتے ہوئے میرا مقصد اپنے آپ کو لوگوں میں بڑا ثابت کرنا ہے یا لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے تاکہ لوگوں کی اصلاح ہو۔ یہ چونکہ دلوں کا معاملہ ہوتا ہے جو بہت نازک ہے لہذا ہر فرد کو اپنے رویے پر نظر رکھنی چاہیے۔ اللہ کی بارگاہ میں کوئی بڑا نہیں ہے۔ کسی کے پاس کچھ کمال ہے تو اس کا ذاتی نہیں اللہ کی عطا ہے اس طرح کی کوشش کرتے رہنا چاہیے کہ اپنی سوچوں اور اپنے رویوں کا خود محاسبہ ہوتا رہے۔ سیدنا فاروق اعظمؓ کا ارشاد ہے کہ خود اپنا حساب کرتے رہا کرو تاکہ اخروی حساب مدنظر رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رمضان المبارک کے بارے ارشاد موجود ہے فرمایا من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفرلہ ماتقدم من ذنبہ (بخاری) اوکما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ رمضان کے روزے ایمان واحتساب کے ساتھ رکھیں گے اُن کے سب گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پاک کے مطابق دو باتیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کوئی بھی شخص سارا دن بھوکا بیٹھا رہے تو روزہ نہیں ہوگا اس کے لئے پہلی بات ایمان ضروری ہے اُن تمام حقائق پر ایمان لانا ضروری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائے ہیں۔ ہم میں سے کسی نے جنت و دوزخ کو نہیں دیکھا فرشتے اور شیطان کو نہیں دیکھا جب اللہ کی ساری مخلوق کو بھی ہم نہیں دیکھ سکتے تو خالق تو بہت بڑی ہستی ہے جو سب کو بنانے والا بھی ہے اور سب کا مالک بھی، اللہ سے بھی ایمان بالغیب ہے اور حقائق اخرویہ سے بھی۔

یہ سارا ہم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے منوایا اور ماننے کا حکم دیا اور الحمد للہ ہم مانتے ہیں اللہ کی دی ہوئی توفیق سے۔ اللہ پاک توفیق دیئے رکھے۔ آمین

تو پہلی بات تو یہ ہے کہ روزہ رکھنے والے کا ایمان اور عقیدہ درست ہو پھر روزے میں اپنا احتساب کرے خود کا حساب کرے کہ مجھ میں کتنی تبدیلی آئی میرا دل کچھ صاف ہوا، میری سوچیں بہتر ہوئیں کوئی مثبت تبدیلی مجھ میں آئی اگر اس طرح ایمان و یقین کے ساتھ اپنا محاسبہ کرتے ہوئے روزہ رکھا گیا تو فرمایا زندگی کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے خواہ اس کی کتنی طویل عمر ہو اور خواہ اس نے کتنے ہی گناہ کیے ہوں اللہ کریم معاف فرما دیتے ہیں۔ اسی طرح عبادات، اذکار و مراقبات میں بھی یہی دو باتیں شرط ہیں اگر ایمان و احتساب رہے تو پھر کبر و ریاء نہیں اور اگر یہ چھوٹ جائے تو بندہ بچ نہیں سکتا۔ اللہ کریم سب کی خطائیں معاف فرمائے۔ اور درگزر فرمائے۔

ذکر کی اہمیت و ضرورت شیخ

امیر محمد اکرم اعوان

فاذکرونی اذکرکم و شکرولی ولا تکفرون

میں یہ چاہتا ہوں کہ ضرورت ذکر اور طریقہ ذکر اگر چہ ہم بار بار دہراتے رہتے ہیں لیکن ایک بار پھر اسے دہرا دوں۔ یہ اس لئے کہ میں نے یہ محسوس کیا ہے اگر چہ یہ ہمارا مقصد حیات ہے اور مشن ہے اس کے باوجود بعض احباب کا رویہ معذرت خواہانہ ہوتا ہے۔ اور یہ اصولی بات ہے کہ جو کام بھی آپ معذرت خواہانہ رویہ سے کریں گے اس میں جان نہیں پیدا ہوتی۔ دوسرا اس سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی حد تک آپ کو ایک طرح کا قابل معافی مجرم سمجھتا ہے، کہ چلو درگزر کرو یہ ویسے کرتو اچھا نہیں رہا۔ خیر برداشت کرلو۔ یہ رویہ سارے دینی امور کے لئے دین کی سربلندی اور عظمت کیلئے نہایت ہی مضر ہے۔

ایک الجھن:

بھائی سب سے پہلی اور عجیب بات یہ ہے اس موضوع پر سارے اعتراضات مسلمانوں کی طرف سے وارد ہوتے ہیں جو شخص دائرہ اسلام میں داخل ہی نہیں اُس کی جنگ یا اُس کی لڑائی تو اثبات اسلام کے حق ہونے یا نہ ہونے کے تک محدود رہتی ہے لیکن وہ حضرات جن پر اللہ کا احسان ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور اسلام کی نعمت عطا کی ہے وہ ایسی الجھنوں میں اور پیچیدگیوں میں پھنسے ہوئے ہیں کہ ان کا بہت بڑا سوال ہوتا ہے کہ ''اللہ کریم نے دین کے ارکان ارشاد فرمائے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ السلام نے اُن کی تفصیل بیان فرمائی۔ نماز ہے، حج ہے، روزہ ہے، زکوٰۃ ہے۔ اب جو شخص نماز بھی پڑھ لیتا ہے، تلاوت بھی کرتا ہے، اپنی توفیق کے مطابق تسبیحات بھی پڑھتا ہے، روزے بھی رکھتا ہے، زکوٰۃ بھی دیتا ہے، تبلیغ بھی کرتا ہے، دین کو دوسروں تک پہنچاتا بھی ہے۔ آپ حضرات کا مطالبہ یہ ہے کہ پھر اللہ کا ذکر بھی کرے وہ ذکر بھی کسی خاص آدمی کے ساتھ مل کر کرے۔ اور کسی خاص آدمی سے توجہ لے یہ دو علیحدہ علیحدہ سوال بنتے ہیں اور بڑے وزنی سوال ہیں۔

سب سے پہلا تو یہ ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے بعد بھی پھر وہ مزید ذکر کیوں کرے۔ کیا یہ سب کچھ ذکر نہیں ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر ذکر کرنا ہی ہے تو اس کے لئے کسی خاص آدمی کی طرف توجہ ہونے کی کیا ضرورت ہے۔

الجھن کا حل:

اس ضمن میں پہلی گزارش تو یہ ہے کہ ربِ کریم نے جب ارکان دین متعین فرمائے ہیں تو تمام ارکانِ دین کے اوقات، ان کی تعداد اور ان کا طریقہ بھی متعین فرما دیا ہے۔ مثلاً نماز ہے تو نماز کے اوقات، اُس کی رکعتوں کی تعداد، اُس کے پڑھنے کا طریقہ، اُس کے وضو کا طریقہ، یہ سارا اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ کہیں سے بھی آپ اُس طریقے کو چھوڑ دیں تو نماز ادا نہیں ہوتی۔ اسی طرح روزہ ہے تو اس کے لئے اوقات متعین ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ متعین ہے، اس کے حدود صبح اور شام کے اوقات متعین ہیں۔ پھر اس میں کیا کچھ کرنا ہے کب کھانا ہے، کس چیز سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کس سے مکروہ ہوگا یہ سارا کچھ مقرر ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ کا اپنا نصاب ہے اور حج کے اپنے مناسک ہیں جو زندگی میں ایک بار فرض ہے، لیکن قرآن حکیم نے اللہ کے ساتھ ربط رکھنے کا جو قاعدہ ارشاد

فرمایا ہے وہ ذکر الٰہی ہے، نماز ہو، حج ہو، روزہ ہو یا زکوٰۃ ہو یہ سب اُس وقت تک قائم ہوتے ہیں جب فرد کا رابطہ اللہ کریم سے قائم ہو جائے۔ اللہ سے رابطے کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے ذکر الٰہی۔ ''فاذکرونی اذکرکم'' ''تم میرا ذکر کرو تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا۔'' یہ نہیں کہا تم میری نماز پڑھو میں تمہاری نماز پڑھوں گا۔ تم میرے لئے روزے رکھو میں تمہارے لئے روزے رکھوں گا لیکن یہ ضرور فرمایا کہ تم میرا ذکر کرو تم مجھے یاد کرو، تمہاری یاد نیاز مندی کے لئے ہوگی، میں تمہیں یاد کروں گا تو میری یاد عطا کے لئے ہو گی، تمہارا یاد کرنا لینے کے لئے ہوگا میرا یاد کرنا دینے کے لیے ہوگا۔

یہ وہ رابطہ ہے جو انسان اور اُس کے خالق حقیقی کے درمیان ہوگا۔ جب یہ تعلق قائم ہو جائے گا تو اب اُس کا سجدہ اپنی ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہوگا، کیونکہ اس کا دل اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوگا اور اُسے یہ حضوری تب حاصل ہوگی جب اللہ کریم اُسے یاد فرمائیں گے۔ انسانی استعداد سے یہ بالاتر ہے کہ وہ اللہ کریم کے ساتھ اپنے آپ کو اس طرح سے جوڑے کہ کبھی اس پر غفلت نہ آئے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ یہ دوام ذکر اللہ جل شانہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔

وہ جو کسی نے کہا ہے ناں۔

میں تو تیرے خیال کو سو بار چھوڑ دوں
لیکن تیرا خیال نہیں چھوڑتا مجھے

اگر انسان پر مدار ہو تو انسان ناقص ہے اور اپنی فطری کمزوری اور نقص کی وجہ سے دن میں ہزار بار اس رشتے کو توڑ بیٹھے، لیکن جب اللہ کی طرف سے یاد ہوتی ہے جیسے ارشاد ہے ''اذکرکم'' تو پھر انقطاع نہیں آتا، اس میں کمزوری نہیں آتی، غفلت نہیں آتی، چونکہ یہ سارے اوصاف اُسی کی ذات کے لئے ہیں اسی لئے رب کریم نے تمام ارکان دین کے اوقات اور تعداد متعین فرما دی ہے لیکن جب ذکر کی بات آئی تو فرمایا: ''واذکرو اللّٰہ ذکراً کثیراً'' اور رب کریم نے قرآن حکیم میں ایک بار نہیں متعدد بار اس کو دہرایا ہے کیونکہ یہ انتہائی ضروری ہے۔

''ہی'' اور ''بھی'' کا فرق

دوسری وضاحت اس ضمن میں یہ ہے کہ نماز بھی ذکر ہے، روزہ بھی ذکر ہے، حج بھی ذکر ہے، تسبیحات و تلاوت بھی ذکر ہے، تبلیغ بھی ذکر ہے، یہ سب کچھ ذکر ہے لیکن یہ نہیں کہہ سکتا کہ صرف نماز ہی ذکر ہے یا حج ہی ذکر ہے یہ درست نہیں، حج بھی ذکر ہے لیکن صرف حج ہی ذکر نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بھی ذکر ضروری ہے اس کا اندازہ آپ اس طرح لگائیں کہ عبادات کا ایک قاعدہ ہے کہ جتنی کسی کو بلندی منازل حاصل ہوگی اتنا اُس کا کوئی رکن ادا کرنا اُس کے نیچے والوں کے ہزاروں بار ادا کرنے سے بڑھ کر درجہ رکھتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''صحابی کا ایک صاع جو خرچ کر دینا بعد میں آنے والوں کے ''احد کے برابر سونا'' خرچ کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ یہ اس لئے کہ وہ قرب الٰہی کی اُن منازل میں ہیں جہاں خشوع و خضوع اور خلوص کی وہ کیفیت نصیب ہوتی ہے کہ بعد میں آنے والا پہاڑ برابر سونا خرچ کرے تو بھی اُسے نصیب نہیں ہوتی۔

ذکر الٰہی کا مقام:

جس طرح مرکز کے قریب کوئی نقطہ ہو تو اُس کی تھوڑی سی حرکت بھی ایک چکر پورا کر لیتی ہے اور دائرے کے مرکز سے دور جو نقطہ ہوگا اس کا لمبا سفر ایک چکر کو پورا کرے گا۔

قرب و منازل جو مخلوق کو نصیب ہو سکتے تھے سب کے اعلیٰ اور انتہائی منازل آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں۔ اس قرب کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تاریخ میں بھی کسی نبی نے اتنے دُکھ نہیں اٹھائے کسی نبی کو اتنا مجاہدہ نہیں کرنا پڑا اور کسی نبی پہ اتنی تکلیفیں وارد نہیں

ہوئیں جتنی مجھے برداشت کرنا پڑیں۔ ساری دنیا سربسجود رہے ملائکہ سے لیکر انسانوں تک لیکن جو سجدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ اُن کا اپنا ہی ہے۔ اُس کی نظیر ممکن نہیں ہے۔ پھر وہ سجدے جو اعلان نبوت کے ساتھ مکہ مکرمہ میں حضورؐ نے ادا فرمائے کسی شخص نے اتنا مشکل ترین سجدہ روئے زمین پر نہیں کیا ہوگا۔ یہ تو انہی کو خبر ہے جنہیں اللہ کریم نے اس دور میں آپؐ کی غلامی اور آپؐ کے دامن کے ساتھ وابستہ فرمایا اور جنہوں نے وہ سجدے دیکھے جب بیت اللہ شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ کرنا اتنا مشکل تھا کہ گویا موت کو دعوت دینا ہے۔

ہم یہ کہتے ہیں کہ ہم تبلیغ کرتے ہیں اور تبلیغ کیا ذکر الٰہی نہیں ہے۔ تبلیغ تو بہت بڑا رکن ہے دین کا۔ پھر آپ ہمیں بٹھا کر یہ اللہ اللہ پر کیوں لگاتے ہیں، ذرا غور کریں دنیا میں ایک شخص گزرا ہے جس کا تکبر اور جس کا کفر مثالی ہے۔ قرآن کریم نے اُس کے کفر اور اس کے جور و استبداد کی مثالیں دی ہیں۔ وہ ہے فرعون دیکھیں اُس کو کس طرح تبلیغ کی گئی۔

فراعنہ مصر اپنے آپ کو خدا کہلواتے تھے اور اپنے سامنے لوگوں سے سجدے کرواتے تھے، بہت متکبر، جابر اور ظالم تھے۔ ان کی بہت مضبوط حکومت تھی۔ اتنے جابر تھے کہ حکم دے دیا کہ اس آبادی میں جو بچہ پیدا ہو قتل کر دیا جائے تو کوئی شخص فریاد لانے کی جرأت نہیں رکھتا تھا۔ خداوند کریم نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہارون علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تبلیغ کے لئے بھیجا۔ اُس کے پاس بیک وقت دو نبی بھیجے۔ انہیں فرمایا جا کر فرعون سے کہیں تو ہدایت پر آجائے اور اللہ کی ناراضگی سے ڈرنے لگ جائے۔ تیرا بھی رب کریم سے اتنا ربط ہو جائے کہ تو اُسے ناراض کرنا برداشت نہ کر سکے۔ لیکن کہاں فرعون اور اس کی فرعونیت اور کہاں یہ مقام اور اس کی کیفیات۔

یاد رکھیں نبی جو کچھ ہوتا ہے اُس کا وجود اُس کا گوشت پوست اس کا بال بال ذاکر ہوتا ہے حتیٰ کہ جو لباس، جو جوتا پہنتا ہے جس چیز سے مس کرتا ہے ہر چیز میں ذکر الٰہی پھیلتا چلا جاتا ہے۔ اس لئے اللہ کا کوئی بھی نبی جو اُس کے جوتے کی توہین کرے وہ بھی کفر ہے۔ لباس کی توہین کفر ہے یعنی جس چیز کو پیامبر سے نسبت ہو جائے اُس کی توہین کفر ہے۔

نبی پر کبھی ذکر الٰہی سے انقطاع وارد نہیں ہوتا۔ یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ کوئی آدمی دو کام کر رہا ہو تو ایک طرف اُس کی توجہ زیادہ ہو جائے اور دوسرے کی طرف کم۔ مثلاً ایک ڈرائیور جو اُسے اتنی مشق ہو جاتی ہے کہ وہ آپ سے باتیں بھی کرتا جا رہا ہے اور اُس کی آنکھیں سامنے دیکھ رہی ہیں، ہاتھ مڑ رہے ہیں۔ پاؤں کی طرف وہ نہیں دیکھتا، لیکن اس کے پاؤں خود بخود ترتیب سے کام کرتے ہیں اور غیر شعوری طور پر چلتے رہتے ہیں جبکہ وہ آپ سے باتیں کر رہا ہوتا ہے یعنی آپ کی طرف تو وہ متوجہ ہے اور پیروں کی طرف اس کی توجہ کم ہے۔ وہ غیر شعوری طور پر چل رہے ہوتے ہیں۔

جب اللہ کریم نے فرمایا اپنے دونوں نبیوں کو کہ فرعون کے پاس جاؤ۔ اُس سے بات کرو، میں تمہارا محافظ بھی ہوں اور تمہاری بات بھی سن رہا ہوں یعنی

انی معکما اسمع واری

"میں دیکھ رہا ہوں میں سن رہا ہوں" لیکن ایک بات یاد رکھنا **ولاتنیا فی ذکری** فرعون کا رعب و دبدبہ، فرعون کا خوف یا شان و شوکت کوئی بھی چیز میرے ذکر کی طرف تمہاری توجہ کم نہ کر دے اور فرعون کی طرف تمہاری توجہ زیادہ نہ کر دے۔ یعنی بات فرعون سے کریں۔ بڑے پیار سے کریں، بڑی جرأت سے کریں

بغیر کسی خوف و خطر کے کریں۔ میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔ میں تمہاری بات سن رہا ہوں جو سوال تم پہ کرے گا اُس کا جواب دینا میرے ذمہ ہے میں تمہیں پڑھاؤں گا، لیکن.....

تبلیغ کی روح ذکرالٰہی ہے

ولا تینا فی ذکری ۔تنیا کا معنی جو بنتا ہے وہ توجہ میں کمی بنتا ہے یعنی کام تو آدمی کر رہا ہو لیکن وہ غیر شعوری یا لاشعوری طور پر ہو رہا ہو۔ اس کی طرف توجہ کم ہو اور دوسرے کی طرف زیادہ ہو۔ فرمایا توجہ تمام جو ہے وہ میرے ذکر کی طرف ہو اور دوسرے درجہ کی توجہ فرعون کی طرف ہو۔

تو کیا اس سے بڑی تبلیغ کوئی ہوگی جو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو جا کر دعوتِ حق دی تھی اللہ کا نبی بھی ہو رسول بھی ہو اور فرعون کو اللہ کا پیغام پہنچا رہا ہو تو اُسے تو حکم ہے کہ فرعون کی طرف توجہ دوسرے درجہ میں ہو اور پوری توجہ میرے ذکر کی طرف ہو۔ حیثیت کیا ہوگی اگر ہم صرف تبلیغ پر ہی اکتفا کریں اور ذکرالٰہی کو ضروری نہ سمجھیں تو ہماری تبلیغ کی حیثیت کیا ہوگی۔

میدانِ جنگ و ذکرالٰہی

عبادات میں نماز کا، حج کا، روزے کا تمام کا بہت بڑا مقام ہے، لیکن جب دین کو اور دینداروں کو طاغوتی طاقتوں کی طرف سے خطرہ پڑتا ہے، مقابلہ کے لئے جانا پڑتا ہے تو جہاد بھی فرض عین ہو جاتا ہے اور یہ فرض ایسا ہے کہ جہاں تک ایک صف یا ایک علاقے کے لوگ کھڑے ہیں اور ان سے وہ خطرہ نہیں رک رہا تو باقی دوسروں پر بھی جہاد اس طرح فرض ہوتا چلا جاتا ہے کہ آ کر اُن کے ساتھ شامل ہوتے چلے جائیں حتیٰ کہ ''حتی لا تکونوا فتنۃ کہ کوئی فساد باقی نہ رہے'' کفر کی شان و شوکت ٹوٹ جائے۔ اُس وقت تک جہاد سب پر فرض عین ہوتا ہے۔ مجاہد جب میدان جنگ میں اللہ کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ:

اللہ کے نزدیک وہ خون کا قطرہ جو میدانِ جہاد میں کسی کے جسم سے زمین پر گرتا ہے تمام کائنات سے محبوب ہوتا ہے۔ اُس کی بہت بڑی عظمت ہوتی ہے۔

جب ایک شخص نے گھر بار چھوڑا، بیوی بچے چھوڑے مال جائیداد چھوڑا جان لے کر اللہ کے لئے میدان میں سربکف کھڑا ہو گیا کہ خدایا میں جان دے دوں گا تیرے دین کی احیاء کے لئے اور تیرے کلمے کی سربلندی کے لیے۔

اللہ اُسے بھی حکم دیتا ہے یا ایھا الذین آمنوا ذا لقیتم فیئۃً جب مقابلہ آجائے فاثبتوا پھر جم کر لڑو، زندگی اور موت میرے اختیار میں ہے جم کر لڑو۔ واذکر اللہ کثیراً ،یعنی تلوار چل رہی ہو گردنیں کٹ رہی ہوں، لاشے تڑپ رہے ہوں لیکن ذکر میں کمی نہ آئے۔ واذکر اللہ کثیراً عین میدان جنگ میں بھی ذکرالٰہی جاری ہو۔

اتنی اہمیت اور اتنی ضرورت ہے ذکرالٰہی کی کہ تبلیغ ہو، عبادت ہو، جہاد ہو، کوئی بھی کام ہو رہا ہو اُس میں ذکر کو تقدیم حاصل ہے اور زیادہ اہمیت حاصل ہے۔

آپ اس سے اوپر چلے جائیں، تبلیغ تو موسیٰ علیہ السلام نے بھی کی دوسرے انبیاء نے بھی کی، نوح علیہ السلام نے بھی ساڑھے نو سو برس مسلسل مجاہدہ کیا۔ مسلسل محنت کی، لیکن ساری کائنات کی تبلیغ ایک طرف اور آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ ایک طرف کہ نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو برس ایک قوم کے ساتھ لگائے اور آقائے نامدار صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے روز ہی پوری دنیا کو تبلیغ کی، تمام انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا وقت محدود تھا اور ان کے افراد محدود تھے، لیکن جو تبلیغ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سپرد ہوئی اس کا وقت محدود نہیں ہے۔ ابدالآباد کے لیے ہے اور ساری دنیا پر بسنے والوں کے لئے ہے۔ اُس کی

مشکلات دیکھیں کہ اللہ کا ایک بندہ پوری روئے زمین کے کفر کو دعوت حق دے رہا ہے۔ حضورؐ کا دنوں کو سفر کرنا اور راتوں کہ پیدل چلنا اور کافروں کے پاس جانا، ہم تو مسلمانوں سے دین کی بات کرتے ہوئے گھبراتے ہیں اور حضورؐ بڑے بڑے کفار اور مشرکین کے پاس تشریف لے جاتے تھے جہاں جان کا بھی خطرہ ہوتا تھا اور ہر طرح کی اذیت پہنچنے کا احتمال بھی ہوتا تھا۔ پھر ساتھ کوئی فوج نہیں اکثر و بیشتر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تن تنہا تشریف لے جاتے تھے ساتھ کوئی خادم نہیں کوئی دوست نہیں۔ سوائے اللہ کے کوئی بچانے والا نہیں ہوتا تھا۔

اُس راستے میں تکلیفیں آئیں، مصیبتیں جھیلیں زخم اٹھائے ،آوازے بھی کسے گئے حتیٰ کہ خود رب کریم نے ارشاد فرمایا:-

وما انزلنا علیك القرآن لتشقیٰ

یعنی اتنا مجاہدہ کیا حضورؐ نے کہ رب کریم نے فرمایا قرآن کے نازل کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپؐ اپنے آپ کو مصیبت میں ہی ڈال لیں۔ارشاد ہے۔

ان لك فی النھار سبحاً طویلا کہ ہر طلوع ہونے والا سورج میرے محبوب تیرے لئے نیا مجاہدہ، نئی محنت لے آتا ہے ۔سجدے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مثالی روزے محمد رسول اللہ کے مثالی، صدقہ وخیرات آپ کا مثالی کہ جس نے ساری زندگی کوئی دولت اپنے پاس نہیں رکھی ،تبلیغ آپ کی مثالی جس نے اسلام کی بنیاد لوگوں کو سکھائی اور تھوکنے سے لے کر سلطنت چلانے تک کے تمام طریقے سکھائے ہیں لوگوں کو پورا دین صرف حضورؐ کی تبلیغ سے عالم انسانیت تک پہنچا اور بلندیٔ منصب اور بلندیٔ مقامات یہ ہے کہ کوئی دوسرا مخلوق میں آپ کا ثانی نہیں۔

اس عالی مقام پر کھڑے ہوئے اپنے محبوب کو رب کریم ارشاد فرماتا ہے"واذکر اسم ربك" کہ یہ سارے کام کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے پروردگار کے ذاتی نام کی تکرار کیا کر۔ اے میرے حبیب اللہ اللہ کیا کر اور اتنی کیا کر"وتبتل الیه تبتیلا" اتنی کثرت سے ذکر کر کہ صرف اللہ رہ جائے ساری کائنات تیرے سامنے محو ہو جائے۔

آپ اندازہ فرمائیے کہ کیا ہماری کوئی عبادت ہمیں ذکر سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے؟ کوئی مسلمان مرد ہو یا عورت جو مکلف ہے شرعی احکام کا وہ ذکر سے مستثنیٰ نہیں ہے یہ اور بات ہے کہ لوگ اس کی اہمیت سے آشنا نہیں رہے۔ استثنیٰ کسی کے لئے نہیں ہے۔

اب آپ دوسری طرف آیئے اور دیکھئے، اگرچہ ہم کہتے ہیں کہ لوگ نماز نہیں پڑھتے لیکن نمازیوں کی بھی کمی نظر نہیں آتی ۔ آپ دیکھیں اذان پر کسی مسجد میں شہر میں چلے جائیں تو مساجد میں بھی جگہ نہیں ملتی۔ لوگ زکوٰۃ اگر نہیں دیتے تو دینے والوں کی بھی کمی نہیں ہے، دینے والے اتنے ہیں کہ ہر سال اربوں روپے زکوٰۃ میں جمع ہوتے ہیں۔ حج اگر لوگ کم کرتے ہیں تو کرنے والے بھی اتنی کثرت سے ہیں کہ آپ جب بھی دورانِ سال وہاں جا کر دیکھیں تو ہجوم ہوتا ہے مخلوق کا اور دورانِ حج تو انسانوں کا ایک سمندر ہوتا ہے ایسے ہی لوگ اگر روزہ نہیں رکھتے تو رکھنے والے بھی بہت ہیں، انتہائی گرم دنوں میں بھی محنت اور مشقت سے روزی کمانے والے روزے دار لوگ میں نے خود دیکھے ہیں جو چرواہے ہیں جنگل میں پھرتے ہیں، مویشیوں کی زبانیں لٹک جاتی ہیں دھوپ اور گرمی سے وہ انہیں تالابوں اور

جوہڑوں پر پانی پلا رہے ہوتے ہیں اور خود روزے سے ہوتے ہیں، لیکن جب بات ذکرِ الٰہی کی آتی ہے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر جگہ لوگ ذکر بھی کرتے ہیں یعنی جہاں بے نمازی ہیں نمازی بھی ہیں۔ ہر جگہ جہاں لوگ روزہ نہیں رکھتے تو رکھنے والے بھی موجود ہیں۔ یہ ایسی بد نصیبی ہے کہ جو بنیاد تھی ارکان دین کی جس پر مدار تھا سب کا اور جس کے طفیل توفیق نصیب ہوتی تھی۔ تمام اعمال کے کرنے کی خود اسی کام میں اتنی غفلت آگئی اور وہ اس قوم سے اس طرح چھوٹ گیا کہ آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ہر شہر میں لوگ ذکر کرتے ہیں۔ ہر

چند کہ ضرورت ذکر ہر مسلمان مرد و عورت کے لئے ویسے ہی اہم ہے کسی کے لئے اس میں کوئی رعایت نہیں ہے۔ یہ اور بات ہے کہ لوگوں کے سمجھنے میں اور احساس میں کمی ہو۔

ذکر الٰہی کا سلیقہ

اب رہ گیا اس کا دوسرا پہلو ''کسی خاص آدمی کے پاس جا کر ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب ذکر ہی کرنا ہے اللہ اللہ کرنی ہے تو جہاں چاہے کرلو۔

ذکر کی اصل یہ ہے کہ یہ برکات نبوت میں سے ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحبتِ عالی میں جو پہنچا وہ صحابی بن گیا۔ صحابیت وہ اعلیٰ مقام ہے جو نبوت کے بعد مخلوق میں سے کسی کو نصیب ہوسکتا ہے اور صحابی ہر طرح سے مثالی مسلمان ہوتا ہے، امانت دیانت خشوع خضوع قرب الٰہی اور خلوص ان تمام معاملات میں حتیٰ کہ کوئی صحابی اگر تعلیم یافتہ نہیں ہے لیکن جو مسئلہ صحابی بیان کر دیتا ہے، بڑے بڑے فاضل اُس پر جرح نہیں کر سکتے کیونکہ صحابی کا قول اپنی ایک خاص حیثیت رکھتا ہے کہ اُس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حاصل کیا ہے۔ کسی پہلو بھی نبوت کے بعد ''صحابیت'' عظمت اور انتہائی منازل کی دلیل ہے۔ صحابی کا کمال یہ ہوتا ہے کہ جو بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس پہنچا ''**ثم تلین جلودھم وقلوبھم الیٰ ذکر اللّٰہ**۔ صحبتِ نبوی کا کمال یہ ہے کہ جس پر نگاہ پڑ گئی اُس کا بال بال ذاکر ہو گیا **ثم تلین جلودھم وقلوبھم** یعنی جسم کا باہر کا حصہ کھال ہے انتہائی اندر دل ہے تو اللہ کریم نے دونوں حدیں شمار فرمائیں۔ **ثم تلین جلودھم وقلوبھم** کھال سے لے کر دل تک یعنی سارا وجود گوشت پوست ہڈیاں خون ریشے ذاکر بن گئے۔ جو بھی نگاہ اقدس میں صحبت اقدس میں پہنچا اُس کا رواں رواں اللہ کا ذاکر ہو گیا۔ یہ کیفیت ازخود نصیب نہیں ہوتی۔ ازخود کوئی صحابی نہیں بنا۔

جس طرح تعلیمات نبوت تقسیم ہوئی ہیں اسی طرح برکات نبوت بھی تقسیم ہوئیں جو صحابہ کی صحبت میں پہنچا وہ تابعی بن گیا جو تابعین کے پاس پہنچا وہ تبع تابعی بن گیا۔ اسی طرح پھر اہل اللہ نے عمریں صرف کر دیں اور پوری پوری زندگی لگا دی ان برکات کو حاصل کرنے، حاصل کر کے آگے تقسیم کرنے میں اس لئے ذکرِ الٰہی کے لئے کسی ایسے شخص کے دروازے پہ ضرور جانا پڑتا ہے جو ان کیفیات کا امین ہو اور انہیں آگے تقسیم کرنے کی اہلیت واستبداد بھی رکھتا ہو۔ بات بنتی تب ہے یہ قاعدہ ہے قدرت کا کہ جب آپ ازخود کہیں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنا شروع کر دیں تو خدا آپ کو کسی ایسے شخص کے پاس لے جائے گا جہاں یہ برکات موجود ہونگی۔ یہاں ارشاد ہوتا ہے:

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا۔ وہاں محققین لکھتے ہیں کہ کوئی بھی شخص خلوص دل سے اللہ کی رضا کے لیے اللہ اللہ شروع کر دے۔ مجاہدہ شروع کر دے تو بہ خلوصِ دل سے کرے تو خدا اسکو ایسے لوگوں کے پاس لیجاتا ہے جو اُس کی تربیت کر سکیں۔ **لنھدینھم سبلنا**۔ سے مراد یہ نہیں کہ خدا اُس پر وحی نازل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کے پاس لیجاتا ہے جو ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور اُسے ہدایت کی طرف لے آتے ہیں۔

مختصراً اس سوال کے دونوں حصوں کا جواب یہ ہے کہ ذکر ضروری ہے۔ اس کی بہت اہمیت ہے، جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ ''اپنے رب کے نام کی تکرار کیا کر تو دوسرا کوئی مستثنیٰ نہیں ہوسکتا اس کی کیفیات حاصل ہوتی ہیں۔ صحبت نبویؐ سے آپؐ کے بعد صحابہ کی صحبت سے پھر تابعین تبع تابعین سے۔ اسی طرح اہل اللہ مشائخ عظام کی صحبت سے حاصل ہوتی ہیں اسی لیے جس طرح تعلیمات نبوی کا حصول علمائے کرام سے ممکن ہوتا ہے تو برکاتِ نبویؐ کا حصول اولیاء اللہ کی صحبت وفیض سے ہوتا ہے۔

خوشخبری

حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت طبی نسخوں میں اضافہ

حضرت امیر المکرّم مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہٗ صحیح معنوں میں ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک ہیں۔ زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو ان کی دسترس سے باہر ہو۔ طب و حکمت سے تو بطور خاص ہر دور میں صوفیا عظام اور علماء کرام کو خاص شغف رہا۔ حضرت امیر المکرّم بھی اس شعبہ میں پیچھے نہیں اور مختلف جڑی بوٹیوں اور قدرتی اجزاء سے ایسے نسخہ جات دریافت فرما رہے ہیں جو مختلف بیماریوں سے نجات کے لئے انتہائی موثر ہیں حال ہی میں حضرت امیر المکرّم کے نو دریافت نسخہ جات میں انتہائی خوش آئند اضافہ ہوا ہے۔ ضرورت مند استفادہ کر سکتے ہیں۔

کلسٹرو کیئر
Cholestro Care
Rs.300
کلیسٹرول کو صحیح حالت پر رکھتا ہے

پین گو
Pain Go
Rs.100
ہر طرح کے درد کے لئے مفید ہے

ہیر گارڈ آئل
Hair guard Oil
Rs.500
بالوں کی صحت کے لئے مفید ہے۔

Cough
Rs.30
کھانسی کیلئے گولیاں

ملنے کا پتہ:۔ دار العرفان منارہ، ضلع چکوال فون 0543-562200
17۔ اویسیہ ٹاؤن شپ لاہور فون 042-5182727

ضرورتِ شیخ

پروفیسر لعل بادشاہ

شیخ سے مراد: تصوف وسلوک میں شیخ سے مراد روحانی رہنما یا روحانی اُستاد ہے جس کو عوام کی اصطلاح میں پیر کامل بھی کہتے ہیں۔ شیخ کامل سے مراد وہ ہستی ہے جو شریعت وطریقت میں کامل ہو اور منازلِ سلوک مکمل طے کئے ہوں وادیٔ تصوف کے پرخار راستوں سے واقف ہو اور شاگردوں کی مکمل راہنمائی کر سکے۔

خداوندِ عالم نے دنیا کا نظام ایسا بنایا ہے کہ ہر کام کیلئے مخصوص طریق کار وضع ہے معرفتِ الٰہی کا حصول بھی ایک طریقہ سے ہوسکتا ہے۔ جس طرح علوم ظاہری استاد کے بغیر حاصل کرنا محال ہے۔ اسی طرح علوم باطنی یعنی روحانیت کا حصول بھی بغیر استادِ کامل مشکل ہے، کیونکہ روح عالم امر کی شے ہے۔ اور اس کی جلا کے لئے کثرتِ ذکر کی ضرورت ہے، ذکر سیکھنے کے لئے مرشد کامل کا ہونا لازمی ہے۔ پھر انسان کی ذاتی محنت اِس پر اضافہ کرتی ہے۔ ورنہ

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ نایاب

بزرگانِ دین نے کئی کئی سال محنت شاقہ کر کے تصوف کی منازل حاصل کی ہیں مگر آج کل فقط قرآن وسنت کی موجودگی کا راگ آلاپ کر رہبر کی ضرورت کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جو حضرات اس راہ کے راہرو ہیں انہیں سرپرست کہا جاتا ہے۔ ضرورتِ شیخ کے بارے میں چند بزرگانِ دین کی آراء پیش کرتا ہوں۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمتہ اللہ علیہ: اپنی کتاب کلیاتِ امدادیہ میں فرماتے ہیں ''جب سالک قبلہ حاجات کی طرف رجوع کرتا ہے تو ظاہر ہے اس کو کوئی کامیابی اور فوزِ مرام بغیر کسی مرشد کامل کی جبہ سائی کے حاصل نہیں ہوسکتیں۔ اس سے کسی مرد کامل کی غلامی کا طوق گلے میں ڈال کر وسواس شیطانی، ہوائے نفسانی سے چھٹکارہ مل سکتا ہے اس کے لئے ضروری ہے اس حکیم صادق کی تجویز کردہ نسخہ کو استعمال کرے اور اپنے امراض باطنی حسد، بخل، غرور، کینہ ریا اور کبر وغیرہ کا علاج کرے۔ ان کی جگہ اُس میں علم وحلم، سخاوت وخاکساری، تحقیر نفس، کم خوری، کم گوئی اور کم آرام طلبی جیسے اوصاف پیدا ہو جائیں گے۔ تب وہ حصولِ الااللہ کا مستحق ہوگا۔ فرمان خداوندی ہے، **یا ایھا الذین آمنو اتقوا اللہ و کونو مع الصدقین۔** اور '**واتبع سبیل من اناب الی**۔' ان آیات میں امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو حکم وجوبی ہے نیز بیعت کرنا، کسی مرشد کامل کی حاشیہ برداری کرنا ہی راہی کو منزل کا پتہ دیتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ: حضرت امام غزالیؒ نے اپنی کتاب کیمیائے سعادت کے صفحہ نمبر 33 پر تحریر فرمایا ہے کہ جو کام اہمیت کا حامل ہوتا ہے اُس کی شرطیں بھی بہت ہوتی ہیں، اور اُن کا حصول کار دارد مقام معرفت کے درجات بغیر محنت اور مرشد کامل کے حاصل نہیں ہوتے اگر یہ دونوں نصیب بھی ہو جائیں تو پھر امداد وتوفیق الٰہی کے بغیر کامیابی مشکل ہے۔ اِس کے ساتھ تقدیر ازلی میں یہ سعادت اس کے مقدر میں لکھی ہو۔ ورنہ ساحل مراد کو پانا مشکل ہے۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ: اپنی کتاب تبلیغی نصاب میں صفحہ نمبر 232 پر شیخ کامل سے وابستگی کو ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ **یا ایھا الذین آمنوا تقوا اللہ و کونو مع الصدقین۔** الصدقین سے مراد یہاں مشائخ صوفیہ ہیں۔ جب کوئی

شخص ان کے خدام میں داخل ہو جاتا ہے تو اُن کی تربیت اور توجہ اُسے بڑے بڑے مراتب عطا کرتی ہے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی: تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں تو تو کبھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کر سکتا۔ گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے جس وقت تجھے کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا احترام تیرے دل میں ہو تو اُس کی خدمت گزاری کر اور اپنے آپ کو شیخ کے احکام میں فنا کردے۔ تب تو حصولِ الا اللہ میں کامیاب ہو سکے گا جب کسی کامل کے دامن سے وابستہ ہو جائے گا بقول مولانا رومیؒ

ے نفس را نتواں کش الاظلِ پیر
دامن ایں نفس کش راسخت بگیر

حضرت کبیر احمد رفاعیؒ: بیان المشید صفحہ 287 پر فرماتے ہیں۔ ذکر اللہ کی پابندی کرو کیونکہ وصالِ حق کا مقناطیس ہے۔ قرب کا ذریعہ ہے، جو اللہ کو یاد کرتا ہے، وہ اللہ سے مانوس ہو جاتا ہے اور جو اللہ سے مانوس ہوا وہ کامیاب ہو گیا مگر ذکر اللہ محبت عارفین کی برکت سے دل میں جمتا ہے۔ محبت مشائخ پر زور دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اُس علم کا کیا فائدہ جس پر عمل نہیں اور اُس عمل سے کیا نفع جس میں اخلاص نہیں اور اخلاص ایک خطرناک راستے کے کنارے پر ہے۔ اب بتا تجھے عمل کے لئے کون اُٹھائیگا۔ جاننے والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** ۔ اور یہ جاننے والے مشائخ ہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ: نے بھی اپنے رسالہ الابقا میں ماہر فن روحانی استاد کی اہمیت پر زور دیا ہے اور فرمایا کہ جب کوئی شخص اُستاد کے بغیر زردہ پلاؤ تیار نہیں کر سکتا تو پھر ماہر فن اُستاد کے بغیر اصلاح نفس کیسے کرے گا۔ بقول مولانا رومی

ے ہیچ حلوائی نشد استاد کار
تا کہ شاگردِ شکر ریزے نشد

اسی طرح انوارِ نبوت کا حصول فیض و برکاتِ نبوی کا پانا کیفیات، ذوق شوق، محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، فکر آخرت سب اولیا اللہ کی خدمت گزاری میں ہیں۔ شیخ کامل کی اہمیت یوں بیان فرمائی ہے۔

ے یار باید راہ راتنہا مرو
بے تلاوز ایں صحرا مرو
پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ: جیسے عارف بھی کامل کی غلامی کی تعریف کرتے ہیں۔

ے بکارِ نیک گردد یاورِ تو
بکوے نیک نامی رہبر تو
ے چنیں مردے کہ یابی خاکِ اوشو
اسیر حلقہ فتراک اوشو

سعدی شیرازی صحبت اولیا کے اثر کا اظہار فرماتے ہیں۔

ے جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

از منہ قدیم سے یہ رواج رہا ہے کہ علومِ ظاہری کے حصول کے بعد علوم باطنی کسی مردِ کامل کے دستِ حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد مجاہدہ کر کے حاصل کیے جاتے۔

امام غزالیؒ نے حضرت بوعلی فارمدی کی بیعت کی۔ مولانا تھانویؒ، مولانا گنگوہیؒ نے بھی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی غلامی اختیار کی۔

حضرت ثانی نے سترہ سال کی عمر میں تکمیل علوم کے باقی باللہؒ سے تصوف وسلوک حاصل کیا۔

اس طرح اس چیز کے حصول کے لئے یہاں سے ملتان کا سفر اختیار کرتا ہے تو کوئی اجمیر سے لاہور کا رخت سفر باندھتا ہے۔ تاریخ تصوف اس بات پر شاہد ہے کہ بغیر صحبت کامل کسی کو مدارج روحانی نصیب نہیں ہوئے۔ زمانہ گذشتہ پر نگاہ ڈالو تو شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ شہاب الدین سہروردی، خواجہ معین الدین چشتی، حضرت علی ہجویری، حضرت بہاؤالدین نقشبند، حضرت سلطان باہو رحم اللہ تعالیٰ علیہ کسی نہ کسی شیخ طریقت سے منسلک نظر آتے ہیں۔ ہر ولی نے صحبت شیخ سے ہی اخذ فیض کیا ہے۔

کشف المحجوب میں حضرت علی ہجویریؒ: رقم طراز ہیں کہ ایک دفعہ میں کسی جنگل میں اپنے شیخ کو وضو کرا رہا تھا کہ دل میں خیال آیا اے علی کب تلک انسانوں سے فیض طلب کرو گے خدا سے مانگو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مرشد کامل نے فرمایا، اے علی قدرت دنیا میں ہر کام کے لئے سبب پیدا کرتی ہے۔ تصوف وسلوک کے لئے مرشد کی خدمت میں رہ کر سیکھنا پڑتا ہے وگرنہ یہ محال ہے۔

حضرت امام غزالیؒ کو حضرت بوعلی فارمدی کی خدمت میں گیارہ سال گزارنے کے بعد خرقہ عطا ہوا۔ انہوں نے تبلیغ شروع کی اور کتابیں تصنیف فرمائیں۔ امام فخر الدین رازیؒ بھی ایک ہزار شاگردوں کی معیت میں حضرت نجم الدین کبریٰ کی خدمت میں اخذ فیض کے لئے حاضر ہوتے ہیں، اور اپنا دامن بھر کر پلٹتے ہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ: تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ تصوف کی منازل جو شیخ کی اِک نگاہ طے کرا دیتی ہے وہ تنہا آدمی پچاس ہزار سال میں بھی طے نہیں کر پاتا بقول رومی:

یک زمانہ صحبت با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مولانا الیاسؒ اور مولانا محمد زکریاؒ بھی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی نظر کرم سے مقامات سلوک کو طے کر پاتے ہیں۔

جن لوگوں نے دین کو ظاہر کی آنکھ سے دیکھا ہے وہ باطن سے محروم رہتے ہیں، شیخ طریقت کے بغیر صوفی ریاضت اور مجاہدہ سے مشاہدات، مکاشفات کو پالیتا ہے مگر مقامات طے نہیں کر سکتا۔ محنت شاقہ سے برتن تو صاف ہو جاتا ہے مگر اُسے بھرنے کے لئے بھی کسی ہستی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، دورِ حاضرہ میں مشائخ کا نہ ہونا اور دو کاندارانہ پیری نے سلوک کا ناس کر دیا ہے جس کی ترجمانی مولانا روم کرتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
تا بہ ہر دستے نباید داد دست

جشنِ آزادی

(ادارہ)

جشن آزادی یوم آزادی پر کس طرح منایا گیا یہ سب آپ نے کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ کیا ہم آزاد ہیں؟ ہم نے کس سے آزادی حاصل کی؟ کسی قوم سے اس قوم کے نظام حکومت سے نظام تعلیم سے عدالتی نظام سے تہذیب وروایات سے؟

قید میں ہے بلبل صیاد مسکرائے
کچھ کہا بھی نہ جائے چپ رہا بھی نہ جائے

آزادی اتنی محبوب، اتنی پیاری، ایسی پر کشش اور اس قدر کیف آفریں ہے۔ انسان تو کیا حیوان بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ آپ ایک پرندے کو جو پنجرے میں بند ہے ذرا اس قفس سے باہر نکالیں پھر اس کی خوشی کے اظہار کے طور طریقے کا مشاہدہ کریں۔ اُچھلنا، کودنا، پھڑ پھڑانا، چہکنا، پھدکنا تو ایسی حرکتیں ہیں جو سر کی آنکھوں سے مشاہدہ کی جاسکتی ہیں، یہی کیفیت ہر اس جانور کی ہوتی ہے جسے قیدوبند کے بعد آزادی نصیب ہو۔

اِنسان کو دیکھئے، بالغ اور عاقل انسان کی تو بات ہی اور ہے۔ نادان بچوں کو دیکھیے سکول میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ چھٹی کا گھنٹہ بجا، اس بے تابی سے گھر کو بھاگے جیسے کوئی انمول خزانہ مل گیا۔

یہ کیفیت افراد تک محدود نہیں، قومیں جب طویل غلامی کے بعد آزادی کی دولت سے مالا مال ہوتی ہیں تو وہ بھی اس تبدیلی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتیں گویا آزادی کی خوشی ہونا ہر ذی روح کی فطرت میں خالق کی طرف سے ودیعت کردیا گیا ہے۔

برصغیر کے باشندے صدیوں سے آزادی کی فضا میں سانس لے رہے تھے ۱۶۰۰ء میں ایک بدیسی قوم تاجر کی حیثیت سے اس ملک میں آئی، مگر قریباً ایک صدی بعد ملک کی مالک بن گئی۔ مسلمان قوم جو طویل آزادی سے آشنا تھی۔ وہی اس بدیسی قوم کا اصل نشانہ بنی۔ چنانچہ مسلمانوں پر اس قوم نے ایسے ایسے مظالم توڑے کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جب بیرونی حملہ آوروں نے سیاسی غلبہ حاصل کرلیا اور مسلمانوں کو سیاسی طور پر غلام بنالیا تو وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے بلکہ اگلا قدم اٹھایا، بقول عارف الہ آبادی:

جب بسولہ ہٹا تو رندا ہے
توپ کھسکی پروفیسر پہنچے

مسلمانوں کے ذہن ان کی سوچ اور عقل کو غلام بنانے کی تدابیر سوچیں اور لارڈ میکالے کے فتنہ پرور دماغ نے یہ تدبیر بنائی کہ تعلیمی نظام اور تعلیمی نصاب ایسا بنایا جائے کہ ان لوگوں کے جسم تو اس ملک کی مٹی کے ہوں مگر ان کی سوچ ان کا ذہن اور ان کا مقصد حیات نہ وطنی ہو نہ اسلامی بلکہ بدیشی، مادی اور غیر اسلامی ہو، کیونکہ تعلیم میں اثر ہے کہ اتنی بڑی تبدیلی لاسکے، سچ کہا ہے ترجمانِ حقیقت نے۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ نسخہ
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اِک ڈھیر

چنانچہ میکالے کی تدبیر کامیاب رہی اور علم کے میدان میں مسلمان احساس کمتری کا شکار ہو گئے اور غیر اسلامی بلکہ غیر انسانی نظام تعلیم کی برتری تسلیم کرلی۔

یہ سفید آقا اس پر بھی مطمئن نہ ہوئے بلکہ مسلمانوں کو تہذیبی اور تمدنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی تدابیر بھی اختیار کر لیں۔ تعلیم سے سوچ کا انداز تو بدل گیا تھا۔ اسکی وجہ سے پسند و ناپسند کا معیار بھی بدل گیا اور اپنی تہذیب کی ہر چیز سے نفرت ہونے لگی، کھانا، پینا، لباس، رہائش، باہمی معاملات، اخلاق ہر شعبے میں انگریزیت جھلکنے لگی اور نظریہ یوں بدلا کہ۔

ہیٹ رانہ برسر خود جائے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تو اندشہ چرا ملا شود

(برخوردار! پگڑی کی جگہ سر پر ہیٹ رکھ جب آدمی مسٹر بن سکتا ہوتو وہ مولوی کیوں بنے)

اور دیکھنے والے بے اختیار کہہ اٹھے۔

واہ کیا دھج ہے میرے بھولے کی
شکل کولے کی ہیٹ سولے کی

تین صدیوں کے عرصہ میں حالت یہ ہوگئی کہ مسلمان سیاسی، علمی، تہذیبی، تمدنی بلکہ اپنی تہذیبی تمدنی علمی اعتقادی ہر چیز سے متنفر ہو گئے سچ کہا اقبال نے:

دل توڑ گئی ان کا دوصدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشان نظری کی

ظاہر ہے کہ اس ہمہ پہلو غلامی سے آزادی ملنے پر خوشی کیوں نہ ہوتی اور اس خوشی کا اظہار بھی اچھلنے کودنے ناچنے گانے وغیرہ کی صورت میں ہونا بھی ایک فطری امر تھا۔ کیونکہ انسان اور جانور میں قدر مشترک بھی موجود ہے البتہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسان نے "ایوبیہ کے مقام جشن آزادی منانے کا وہ نمونہ پیش کیا کہ سر شرم سے جھک گئے، بہرحال آزادی کی خوشی یقینی اور ضروری چیز ہے۔

سنجیدگی سے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ذرا اس آزادی کا تجزیہ تو کیا جائے۔ چنانچہ جہاں تک سیاسی آزادی کا تعلق ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ غلامی کے دور میں اقتدار کی کرسی پر بدیشی انگریز بیٹھا تھا آزادی ملنے کے بعد افسوس کہ ہم اپنے مذہب اپنی تعلیم اور اپنی تہذیب وروایات کو نہ اپنا سکے۔ گویا آزادی کے اسی پہلو میں خوشی کی بات صرف اتنی ہے کہ غیروں کا جواء تو گردن سے اُترا۔

تعلیمی نظام کو دیکھئے نصف صدی گزرنے کے قریب ہے مگر اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی، ہاں اتنا ہوا ہے کہ قوم کے پے در پے تقاضوں اور دباؤ سے مجبور ہو کر میکالے کے نظام تعلیم میں اسلامیات کا ایک پیوند لگا دیا مگر اس کی کیفیت کچھ یوں ہے کہ

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے
مگر یونہی کہ گویا آب زمزم مے میں داخل ہے

پھر اسلام میں مزید کرم فرمائی یہ ہوئی کہ اسلام کے دو حصے کر دیئے گئے، اسلامیات کے دو نصاب بنا دیئے گئے تاکہ فرقہ وارایت بچپن سے ہی ذہن میں پختہ کر دی جائے اور وطن عزیز عدم اتحاد اور بیگانگی کا شکار رہے۔ پھر نظام تعلیم میں یہ انقلاب لایا گیا کہ ہر گلی ہر موڑ پر انگلش میڈیم سکول کھل گئے یعنی دور غلامی میں پانچویں جماعت سے انگریزی کی تعلیم دی جاتی تھی آزادی ملی تو نرسری سے انگریزی تعلیم شروع ہوگئی پھر اس آزادی پہ خوشی نہ ہو تو کیا ہو؟

قانونی پہلو کو لیجئے۔ انگریز کا قانون جوں کا توں رائج ہے اسکو بدلنے کے لئے صدر مملکت کی نو برس کی کوششیں بارآور نہ ہوئیں۔ انگریزی قانون کے ساتھ اسلامی قانون کا ایسا مضحکہ خیز پیوند لگایا گیا کہ جگ ہنسائی کے بغیر کچھ حاصل نہ ہوا۔ ہاں مسلمانوں کو اسلام سے نفرت اور اسلام سے بیزاری اور اسلامی قانون سے فرار کا زریں موقع عطا کر دیا گیا۔ شریعت بل پیش ہوا تو ماتھے پر بل پڑنے لگے۔ ٹال مٹول کے طریقے سوچے اور اختیار کئے جانے لگے اور تدبیر یہ سوچی گئی کہ شریعت بل کو ایسا بناؤ تاکہ سکو قابل قبول ہو، جو اکبر کے دین الٰہی جیسا ہو۔

تہذیبی پہلو کو دیکھئے تو تہذیب کے ہر شعبے میں مغربیت کی برتری عقلاً اور عملاً مسلم ہے۔ اپنی تہذیب اور روایات سے انحراف کی راہیں وسیع ہوتی جارہی ہیں۔ ان حالات میں ہمیں حقیقی آزادی کا نشان نہیں ملتا البتہ زندگی کے ہر میدان میں آزادی کی ایکٹنگ کرنے کی مختلف صورتیں سامنے آتی ہیں اللہ کریم وہ دن لائے کہ ہم سیاسی، قانونی، تعلیمی، تمدنی، تہذیبی ہر پہلو سے اسلام کی آغوش میں آجائیں وہ دن واقعی آزادی کا دن ہوگا، خوشی منانے کا وہ اسلوب اختیار کیا جائے گا جو اسلام نے محسن انسانیت نے سکھایا ہے۔

ہمارے دن گذشتہ پھر ہمیں یا رب دکھا دینا
سُنا ہے تیری قدرت سے گئے دن پھر بھی آتے ہیں

روزے کے روحانی تقاضے

مولانا ابوالکلام آزاد

تارکینِ سیام کے گروہ میں ایک فتنے نے سر اُٹھایا ہے جس کا سر بہت شدید اور جس کی آفات سخت متعدی ہیں اور جس کے اندر شریعت کا استحقاق اور استہزا پہلے سے کہیں زیادہ اور حدود اللہ کے خلاف نفسانی جسارت پہلوں سے کہیں بڑھ کر ہے۔ نہایت درد و رنج کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ ان لوگوں کا فتنہ الحاد و اباحیت ہے جنہیں افسوس ہے کہ الحاد سے بھی جہل کے سوا اور کچھ نہ ملا حالانکہ الحاد نے اکثر غرور علم کے ساتھ ظہور کیا ہے۔ یہ لوگ عہدِ جدید کی مہذب و متمدن مخلوق ہیں جو نئی درسگاہوں کی کائنات جہل و غرور میں پیدا ہوتی ہے اور جو فی الحقیقت غرور و ادعا اور جہل و فساد کے سوا کچھ نہیں۔

ان میں سے اکثر کے نزدیک روزہ، عرب جاہلیت کے فقر و فاقہ کی ایک وحشیانہ یادگار ہے جو یا تو اس لئے قائم کی گئی کہ غذا میسر نہیں آتی تھی یا منجملہ ان عالمگیر غلط فہمیوں کے ایک تو ہم پرستی تھی۔ جو اہل مذاہب میں ابتدا سے پھیلی ہوئی ہیں اور انہوں نے ترکِ لذائذ اور تعذیب جسم کو وسیلہ نجات سمجھ لیا ہے۔ ان میں بہت سے لوگ اپنے الحاد کو شریعت کی نسبت سے انجام دینے کے شائق ہیں اور وہ عقل اور نقل کے درمیان تطبیق دینے کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر روزہ فرض ہوا بھی تھا تو قرآنی آیت اور جو لوگ روزے کی قدرت رکھتے ہوں پھر بھی روزہ نہ رکھیں تو فدیے میں ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔'' نے ثابت کر دیا کہ ایک مسکین کو کھانا کھلا کر ہم روزے کے پنجہ عذاب سے نجات پا سکتے ہیں۔ پس یہ ہمارے لئے بس کرتا ہے۔

بدنصیب روزہ دار:

یہ سرگذشت ان کی تھی جنہوں نے شریعت کو چھوڑ دیا۔ لیکن آؤ اب ان کے سراغ میں نکلیں جو دامن شریعت سے وابستہ ہیں۔ یہ وہ لوگ تھے جو پانی سے دور ہو گئے اب آؤ ان کو دیکھیں جو دریا کے کنارے، خیمہ زن ہیں۔

پھر کیا وہ سیراب ہیں۔۔۔؟ کیا وہ پہلوں کی طرح پیاسے نہیں۔۔۔؟

افسوس کہ حقیقت کی آنکھیں اب تک خونبار ہیں اور عشقِ مقصود کا قدم یہاں تک پہنچ کر بھی کامیاب نہیں۔ یہ سچ ہے کہ پہلوں نے دریا کی راہ چھوڑ دی اور دوسروں نے اس کے کنارے اپنا خیمہ لگایا اور اس میں بھی کچھ شک نہیں کہ اس کا اجر انہیں ملنا چاہیے۔ لیکن اگر دریا کے لئے بلکہ دریا کے پانی کے لئے تھا تو پہلا گروہ پانی سے دور رہ کر پیاسا رہا اور دوسرے اس تک پہنچ کر پیاسے ہیں

انہیں کشتی نہیں ملتی انہیں ساحل نہیں ملتا

یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے شریعت کے حکم تو لئے مگر ان کی حقیقت چھوڑ دی ہے۔ یہ وہ ہیں کہ انہوں نے چھلکے پر قناعت کی اور مغز کو ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا جنہوں نے چھلکا اور مغز دونوں

کو چھوڑ دیا۔ یہ جسم کو انسان سمجھتے ہیں۔۔۔؟ حالانکہ عیش نظارہ اس نے پایا جس نے نقاب کی جگہ صورت سے عشق کیا۔ کاشتکار بیج پھل کے لئے بوتا ہے اور پھولوں کی ساری محبوبیت اس میں ہے کہ ان کی خوشبو سے دماغ معطر ہو جاتا ہے۔ پس اگر بیج پھل نہ لایا اور پھولوں نے خوشبو نہ دی تو کاشتکار کے لئے ہل جوتنے کی جگہ بہتر تھا کہ وہ گھر میں آرام سے سوتا اور بے خوشبو کے پھولوں سے وہ خشک ٹہنی زیادہ قیمتی ہے جو چولہے میں جلائی جا سکے۔

روزے کا مقصد:

درحقیقت روزہ صرف بھوک پیاس کا نام نہیں اگر ایسا ہوتا تو ہر فقیر عابد ہوتا اور ہر فاقہ کش مومن کامل۔ حالانکہ بہت سے بے نصیب مسکین ہیں۔ جن کی فاقہ کشی انہیں وہ شہ نہیں دے سکتی جو ایک خدا پرست بادشاہ لذائذ و نعم پر خوان ہائے پُر تکلف کے سامنے بیٹھ کر پا لیتا ہے۔ اصل شے روح کا تقویٰ، نفس کی طہارت، خواہشوں کا حبس قوتوں کا احتساب اور جذبات کی ایثار ہے اور چونکہ مخلوقات کے لئے غذا کی خواہش سب سے بڑی مجبور کن خواہش ہے اس لئے درسِ صبر، تعلیم وتحمل اور نفوذ واتقا اور ایثارِ نفس کے لئے اسی خواہش کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا اور اسے تمام روحانی فضائل کے کسب اور تمام اخلاقی رذائل سے اجتناب کا وسیلہ قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ روزے کا حکم دینے کے بعد اسکی علت ایک نہایت ہی جامع اور مانع اصطلاحِ شریعت میں واضح کر دی گئی کہ لعلکم تتقون۔ یہ اس لئے کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔

تقویٰ، بچنے اور پرہیز کرنے کو کہتے ہیں۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اسے مقصود تمام برائیوں اور ذلتوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ہے۔ پس روزہ وہ ہے جو ہمیں پرہیزگاری کا سبق دے۔ روزہ وہ ہے جو ہمارے اندر تقویٰ اور طہارت پیدا کرے۔ روزہ وہ ہے جو ہماری بہیمی قوتوں اور غضبی خواہشوں کے اندر اعتدال پیدا کرے۔ روزہ وہ ہے جو ہمارے اندر نیکیوں کا جوش، صداقتوں کا عشق، راستبازی کی شیفتگی اور برائیوں سے اجتناب کی قوت پیدا کرے۔ یہی چیز روزے کا اصل مقصود ہے اور باقی سب کچھ بمنزلہ ذرائع و وسائل کے ہے۔ اگر یہ فضیلتیں ہمارے اندر پیدا نہ ہوئیں تو پھر روزہ، روزہ نہیں بلکہ محض بھوک کا عذاب اور پیاس کا دُکھ ہے۔ کیا نہیں دیکھتے کہ احادیثِ نبویہ ﷺ میں روزے کی برکتوں کے لئے احتساب کی بھی شرط بھی قرار دی گئی ہے۔

"جس شخص نے رمضان کے روزے احتساب نفس کے ساتھ رکھے۔ اللہ تعالیٰ اس کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دے گا۔

پھر کتنے ہیں جو روزہ رکھتے ہیں اور ساتھ ہی ایک سچے صائم کی طرح پاک ستھری زندگی بھی انہیں نصیب ہے؟ آہ میں ان لوگوں کو بھی جانتا ہوں جو ایک طرف تو نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور دوسری طرف لوگوں کا مال کھاتے ہیں۔ بندوں کے حقوق غصب کرتے، اعزہ و اقارب کے فرائض پامال کرتے، بندگانِ الٰہی کی غیبتیں کرتے، ان کو دکھ اور تکلیف پہنچاتے ہیں، طرح طرح کے مکروفریب کام میں لاتے اور جبکہ ان کے جسم کا پیٹ بھوکا ہوتا ہے تو اپنے دل کے شکم کو گناہوں کی کثافت سے آسودہ اور سیر رکھتے ہیں کیا یہی وہ روزہ دار ہیں جن کی نسبت

حدیث میں فرمایا گیا۔۔

"کتنے یہ روزہ دار ہیں جنہیں

ان کے روزے سے بھوک اور

پیاس کے سوا کچھ نہیں ملتا"

وہ راتوں کو تراویح میں قرآن سنتے ہیں صبح اس کی منزلیں ختم کرتے ہیں لیکن اس کی نہ تو ہدایتیں ان کے سامعہ سے آگے جاتی ہیں اور نہ اسکی صدائیں حلق سے نیچے اترتی ہیں۔

"اور کتنے ہی راتوں کو ذکر وتلاوت کا قیام کرنے والے ہیں کہ انہیں اس سے شب بیداری کے سوا کچھ فائدہ نہیں۔"

نیز فرمایا:۔

"بہت سے قرآن تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن ان پر لعنت بھیجتا ہے۔"

یہ اس لئے کہ انہوں نے اپنی بدکرداریوں اور بدعملیوں سے قرآن کی تلاوت اور سماعت کولہو ولعب بنا کر رکھا ہے۔ پھر کتنے روزہ دار ہیں جن کا روزہ برکت ورحمت ہونے کی جگہ بندگانِ الٰہی کے لئے ایک آفت ومصیبت ہے اور بہتر تھا کہ وہ روزہ نہ رکھتے، دن بھر بھوکا رہ کے اور رات کو تراویح پڑھ کر وہ ایسے مغرور بدنفس ہو جاتے ہیں گویا انہوں نے خدا پر، اس کے ملائکہ پر، اور اس کے تمام بندوں پر ایک احسانِ عظیم کیا ہے۔ اور اس پر معاوضے میں انہیں کبریائی اور خود پرستی کی سند مل گئی ہے۔

اب اگر وہ انسانوں کو قتل بھی کر ڈالیں جب بھی ان سے کوئی پرسش نہیں ہوگی وہ تمام دن درندوں اور بھیڑیوں کی طرح لوگوں کو چیرتے پھاڑتے ہیں اور کہتے ہیں ہم روزہ دار ہیں۔ سوا ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ زمین وآسمان کا خداوند ان کے فاقے کا محتاج نہیں۔

روزے کا مقصد نفس کا انکسار اور دل کی شکستگی پھر اے شریر انسان! تو روٹی اور پانی کا روزہ رکھ کر خون اور گوشت کیوں کھانا چاہتا ہے۔

"آیا تم میں سے کوئی پسند کرے گا کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔" (الحدید)

"جس نے مکروفریب کو نہ چھوڑا اور اتقائے صیام پر عمل نہ کیا سو خدا کو کوئی حاجت نہیں کہ کہ اسے کھانے پینے کو چھڑا دے اور اسے بھوکا رکھے۔"

قرآن کی رو سے اگر قربانی کا گوشت خدا تک نہیں پہنچتا تو اے مغرور عبادت گذار اور مردم آزار صائم! تیری بھوک اور پیاس بھی خدا تک نہیں پہنچتی بلکہ وہ چیز پہنچتی ہے جو تیرے دل اور تیری نیت میں ہے۔ اگر تجھے ساری ریاضت، اکارت اور تیری ساری مشقت بیکار ہے۔

پس وہ لوگ جنہوں نے روزہ نہ رکھا اور خدا کا حکم توڑا اور وہ جنہوں نے رکھا اور اس کی حقیقت حاصل نہ کی ان دونوں کی مثال ان دو لڑکوں کی سی ہے ایک تو مدرسے میں تو حاضر ہوتا ہے لیکن پڑھنے کی جگہ دن بھر کھیلتا ہے۔ پہلا مدرسے نہ گیا اور علم سے محروم رہا دوسرا گیا پھر بھی محروم رہا۔ البتہ جانے والے کو نہ جانے والے پر فضیلت حاصل ہے لیکن اگر وہ مدرسے جا کر بھی لوگوں کو تکلیف پہنچاتا ہے تو بہتر تھا کہ نہ جاتا

حضرت خواجہ امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ

(حیات طیبہ حصہ دو سے اقتباس)

آپ ۲۱ ھ میں پیدا ہوئے آپ کے والد یسار مشہور صحابی حضرت زید بن ثابتؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اور خود آپ نے اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں پرورش پائی۔"

آپ کی داعیانہ صلاحیتیں:

حضرت حسن بصریؒ میں اللہ تعالیٰ وہ تمام صلاحیتیں جمع فرما دی تھیں جو اس دَور کے مخصوص حالات میں دین کا وقار بڑھانے اور دینی دعوت کو موثر بنانے کے لئے درکار تھیں۔ ان کی شخصیت میں بڑی جامعیت دل آویزی اور کشش تھی۔ ایک طرف وہ دین میں پورا تجر اور گہری بصیرت رکھتے تھے۔ بلند پایہ مفسر اور مستند محدث تھے جس کے بغیر اس وقت کوئی اصلاحی کوشش انجام نہیں پا سکتی تھی۔ صحابہ کرامؓ کا انہوں نے اچھا خاصا زمانہ پایا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے غور سے اس کا مطالعہ کیا تھا۔ مسلمانوں کی زندگی اور اسلامی معاشرے میں جو تغیرات پیش آئے تھے ان پر گہری نظر رکھتے تھے اپنے زمانہ کی سوسائٹی ہر طبقہ زندگی اور معاشرہ سے وہ پورے طور پر باخبر تھے۔ اسکی خصوصیات اور اس کی بیماریوں سے ایک تجربہ کار طبیب کی طرح واقف تھے، بڑے فصیح و بلیغ اور شیریں زبان تھے جب وہ گفتگو کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے جب آخرت کا بیان کرتے تھے یا صحابہ کرامؓ کے دور کی تصویر کھینچتے تھے تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں، مشہور امام لغت ونحو ابو عمرو بن العلا کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری اور حجاج بن یوسف سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا اور حسن تو حجاج سے زیادہ فصیح تھے۔ وسعت علم کا یہ عالم تھا کہ ربیع بن انس کہتے ہیں کہ میں دس برس تک حسن بصریؒ کے پاس آتا جاتا رہا ہر روز ان سے کوئی ایسی بات سنتا تھا جو اس سے پہلے نہیں سنی۔ ایک شخص نے ان کی جامعیت کو اس طرح بیان کیا۔

"وہ اپنے علم وتقویٰ، زہد و ورع، استغناء عالی ہمتی، لطافت، تفقہ اور علم کے اعتبار سے ایک درخشاں ستارہ تھے ان کی مجلس میں قسم قسم کے لوگ جمع رہتے تھے، اور ہر ایک فیض پاتا تھا ایک شخص حدیث حاصل کر رہا ہے ایک تفسیر میں استفادہ کر رہا ہے ایک فقہ کا درس لے رہا ہے۔ ایک فتویٰ پوچھ رہا ہے کوئی مقدمات فیصل کرنے کے قواعد سیکھ رہا ہے کوئی وعظ سن رہا ہے، اور وہ ایک بحر ذخار ہیں جو موجیں لے رہا ہے اور ایک روشن چراغ ہیں جو مجلس کو پر نور کر رہا ہے پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سلسلے میں ان کے کارنامے اور حکام و اُمراء کے روبرو پوری فصاحت اور پر شکوہ الفاظ میں اظہار حق کے واقعات بھلانے کی چیز نہیں۔" (ثابت بن قرہ)

اس سب کے علاوہ اور اس سب سے بڑھ کر ان کی تاثیر کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ محض صاحب قال اور صاحب کمال

نہ تھے بلکہ صاحب دل اور صاحب حال بھی تھے جو کچھ کہتے تھے ان کے دل سے نکلتا تھا۔ اس لئے دل پر اثر کرتا تھا جس وقت تقریر کرتے تھے سراپا درد واثر ہوتے تھے اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ بصرہ میں کوفہ میں بڑے بڑے صاحب علم اور صاحب درس تھے مگر ان کے حلقہ درس میں مقناطیس کی کشش تھی۔ ان کے مواعظ وبیانات کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو ''کلام نبوت'' سے بڑی مناسبت تھی۔

امامِ غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اس پر اتفاق ہے کہ حسن بصریؒ کا کلام کلام انبیاءؑ کے طرزِ کلام سے بڑی مناسبت رکھتا ہے ایسی مناسبت دوسرے واعظین کے کلام میں نہیں دیکھی گئی ۔اسی طرح اُن کی طرز زندگی صحابہ کرامؓ کے طرزِ زندگی سے بہت مشابہ تھا۔

ان کی خصوصیات و جامعیت کا یہ اثر تھا کہ لوگ ان کی شخصیت سے مسحور تھے اور ان کو امت محمدی کے ممتاز ترین افراد میں شمار کرتے تھے۔ تیسری صدی کے ایک غیر مسلم فلسفی ثابت بن قرہ کا مقولہ ہے کہ امت محمدیہ ﷺ کی جن ممتاز ترین شخصیتوں پر دوسری امتوں کو رشک آنا چاہئے ان میں حسن بصری بھی ہیں۔ مکہ معظمہ ہمیشہ عالم اسلام کا مرکز رہا ہے وہاں ہر فن کے صاحبِ کمال آتے رہتے ہیں۔ لیکن اہل مکہ بھی حسن بصری کا علم دیکھ کر ان کی تقریریں کر ششدر رہ گئے کہ ہم نے ان جیسا آدمی نہیں دیکھا۔

حسن بصریؒ کے مواعظ:

حسن بصریؒ کے مواعظ دور صحابہؓ کی قوت اور سادگی کا نمونہ ہیں۔ ان میں زیادہ تر دنیا کی بے ثباتی زندگی کی بے وفائی اور آخرت کی اہمیت کے مضمون، ایمان وعمل کی تلقین، تقویٰ اور خشیت الٰہی کی تعلیم اور طول اہل اور تخریب نفس کی اہمیت ملتی ہے خصوصاً اس دور میں جس پر مادیت اور غفلت کا سخت حملہ ہوا تھا، عوام اور بہت سے خواص دولت اور عیش وعشرت کے سیلاب میں خس وخاشاک کی طرح بہے چلے جا رہے تھے ان ہی مضامین کی ضرورت تھی۔ آپ نے چونکہ صحابہ کرامؓ کا دور اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور ان کی صحبت کا فیض اٹھایا تھا۔ اب حکومت امویہ کا شباب دیکھ رہے تھے۔ اس لئے وہ اپنے مواعظ میں اکثر بڑے درد وجوش کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ایمانی کیفیات اور ان کی ایمانی اور عملی خصوصیات بیان کرنے لگتے ہیں۔ اور جب وہ ان دونوں زمانوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور اس عظیم انقلاب کا تذکرہ کرنے لگتے ہیں جو ان کے دیکھتے دیکھتے ایمان وعمل اخلاق وعادات میں رونما ہوا تھا تو ان کا درد اور جوش بہت بڑھ جاتا ہے اور ان کے مواعظ تیر ونشتر بن جاتے ہیں۔ ان کے مواعظ اپنی دل آویزی اور دلنشینی کے علاوہ اس دور کی فصیح و بلیغ زبان اور ادب عالیہ کا نمونہ ہیں۔ ایک موقعہ پر اہل زمانہ پر تبصرہ صحابہ کرامؓ کا تذکرہ اور اسلامی اخلاق کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ہائے افسوس لوگوں کی امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا۔ زبانی باتیں ہیں عمل کا نشان نہیں علم ہے مگر صبر نہیں۔ ایمان ہے مگر یقین سے خالی آدمی بہت نظر آتے ہیں مگر دماغ نہیں، آنے جانے والوں کا شور ہے مگر ایک بندہ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے۔ لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے

انہوں نے سب کچھ جان لیا پھر مکر گئے۔ انہوں نے پہلا حرام کیا پھر اسی کو حلال کر لیا۔ تمہارا دین کیا ہے؟ زبان کا ایک چٹخارہ اگر پوچھا جاتا ہے کیا تم روزِ حساب پر یقین رکھتے ہو تو جواب ملتا ہے ہاں ہاں، قسم ہے روزِ جزا کے مالک کی تم نے غلط کہا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ دین میں قوی ہو۔ صاحبِ ایمان و یقین ہو، اس کے علم کے لئے حلم اور اس کے حلم کے لئے علم باعثِ زینت ہو، عقلمند ہو لیکن نرم خو، اس کی خوش پوشی اور ضبط اس کے فقر و افلاس کی پردہ داری کرے۔ دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں رحیم و کریم حقوق کی ادائی میں کشادہ دست اور فراخ دل، انصاف میں سرگرم و ثابت قدم کسی سے نفرت ہو تو اس کے حق میں زیادتی نہ ہونے پائے کسی سے محبت ہو تو اس کی مدد میں حدِ شریعت سے نہ بڑھنے پائے، نہ عیب چینی کرتا ہو، نہ طنز و اشارہ نہ طعن و تشنیع نہ لایعنی سے اس کو کچھ کام ہو نہ لہو و لعب سے دلچسپی، چغل خوری نہیں کرتا۔ جو اس کا حق نہیں اس کے پیچھے نہیں پڑتا جو اس پر واجب آتا ہے اس کا انکار نہیں کرتا معذرت میں حد سے نہیں بڑھتا، دوسرے کی مصیبت پر خوش نہیں ہوتا دوسرے کی معصیت سے اس کو مسرت نہیں ہوتی مومن کی نماز میں خشوع اور نمازوں کا ذوق ہوتا ہے اس کا کلام شفا کا پیام، اس کا صبر تقویٰ اس کا سکوت سراسر غور و فکر، اس کی نظر سراپا درس و عبرت ہے، علماء کی صحبت اختیار کرتا ہے علم کی خاطر، خاموش رہتا ہے تو اس لئے کہ گناہوں کی گرفت سے محفوظ رہے بولتا ہے تو اس لئے کہ کچھ ثواب کمائے اور فائدہ حاصل کرے، نیکی کر کے اسے خوشی ہوتی ہے غلطی ہو جائے تو استغفار کرتا ہے۔ شکایت نہیں کرتا ہے۔ اس کے دل میں کسی کی طرف سے رنج آتا ہے تو معافی تلافی کر لیتا ہے اس سے کوئی جہالت کرتا ہے تو وہ تحمل اور عقل سے کام لیتا ہے۔ ظلم ہوتا ہے تو صبر کرتا ہے کوئی اس کے حق میں ناانصافی کرے تو وہ انصاف کو نہیں چھوڑتا، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پناہ نہیں لیتا، مجمع میں باوقار تنہائی میں شکر گزار، رزق پر قانع آرام کے زمانہ میں شاکر شاہوں میں ذاکر، ذاکروں میں ہو تو استغفار میں شامل یہ تھی شان اصحاب رسول اللہؐ کی۔''

اپنے درجوں اور مرتبہ کے مطابق جب تک دنیا میں رہے اسی شان سے رہے اور جب دنیا سے گئے اسی آن بان سے گئے، مسلمانو! تمہارے سلف صالحین کا یہ نمونہ تھا جب تم نے اللہ کے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا تو اللہ نے بھی تمہارے ساتھ اپنا معاملہ بدل دیا۔

ایک اور وعظ اسی دلسوزی سے فرما کر آخر میں فرمایا کہ اس وعظ و نصیحت میں تو کوئی کمی نہیں لیکن دلوں میں زندگی بھی تو ہو۔''

ان کی حق گوئی اور بے باکی:

آپ کے کمالات فصاحت و بلاغت تبحر علمی اور تقریر و تاثیر تک ہی محدود نہ تھے بلکہ وہ اپنے زمانہ میں حق گوئی و بے باکی اور اخلاقی جرأت و شجاعت میں بھی ممتاز تھے، انہوں نے خلیفہ وقت یزید بن عبدالملک پر برملا تنقید کی۔ ایک موقعہ پر برسرِ درس کسی شخص

نے سوال کیا کہ اس زمانہ فتن کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے۔ آپ نے فرمایا نہ اس کا ساتھ دو نہ اُس کا ساتھ دو۔'' ایک شامی نے کہا نہ امیر المومنین کا، یہ سن کر آپ کو غصہ آ گیا پھر ہاتھ اٹھا کر کہا ہاں نہ امیر المومنین کا ہاں نہ امیر المومنین کا۔ حجاج کی تلوار اور سفاکی مشہور ہے مگر حسنؒ کی زبان اس زمانہ میں بھی اظہار حق سے باز نہ آئی۔ اور اس کے متعلق بھی انہوں نے اپنے ضمیر اور عقیدہ کے خلاف کوئی بات نہیں کہی۔

نفاق اور منافقین:

اسلام کے سیاسی اور مادی اثر و اقتدار سے اسلامی مملکت میں بڑی تعداد میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس نے اسلام کو قبول تو کر لیا تھا مگر اس کے اخلاق و معاملات اور قلب و دماغ پوری طرح اسلام سے متاثر نہیں ہو سکے تھے۔

ان میں حقیقی ایمان کی شان پیدا نہیں ہوئی تھی خود مسلمانوں کی نئی نسل میں بکثرت ایسے افراد تھے جو جاہلی اثرات سے پاک نہیں ہوئے تھے۔ اسلام سے ان کو گہرا تعلق اور زندگی میں احکام الٰہی کے سامنے انقیاد و تسلیم کی خو پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ان میں خاصی تعداد میں (بالخصوص حکومت کے طبقہ اور امراء میں) ایسے لوگ تھے جن میں قدیم منافقین کے اخلاق و اعمال اور ان کے ذہن و مزاج کا پرتو نظر آتا تھا یہی لوگ بالعموم زندگی پر حاوی تھے، درباروں میں، کلیدی جگہوں پر فوج میں بازاروں میں انہی کا غلبہ تھا۔ انہی کا غلبہ تھا۔ انہی کا طرزِ زندگی سوسائٹی میں فیشن کی حیثیت رکھتا تھا۔

بعض حضرات کا خیال تھا کہ نفاق ایک وقتی اور مقامی بیماری تھی کہ جو عہد رسالت میں مدینہ طیبہ کے مخصوص حالات کی بنا پر پیدا ہو گئی تھی۔ اسلام کے غلبہ اور کفر کی مغلوبیت کے بعد وہ ختم ہو گئی اس لئے کہ دونوں قوتوں کی کشمکش جاتی رہی اور صرف اسلام باقی رہ گیا اس لئے قدرتی طور پر کسی ایسے گروہ کے پیدا ہونے کا موقع نہیں رہا جو ان دونوں کے درمیان متردد اور مذبذب رہے اور کسی ایک کا وفادار اور مخلص رفیق نہ بن سکے اب تو یا تو کھلا ہوا کفر ہے یا اعلانیہ اسلام ان دونوں کے درمیان تذبذب کی کوئی وجہ نہیں، تفسیر و تاریخ میں اس خیال کے اثرات ملتے ہیں۔

ان حضرات نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا تھا کہ نفاق فطرت انسانی کی ایک کمزوری اور بیماری ہے جو اسی کی طرح پرانی اور عام ہے اس بیماری کے پیدا ہونے کے لئے یہ بالکل ضروری نہیں ہے کہ اسلام اور کفر کی دو طاقتیں میدان میں ضرور ہوں اور ان میں کشمکش جاری ہو، خالص اسلام کے غلبہ اور اقتدار کی حالت میں بھی ایک ایسا گروہ پیدا ہو جاتا ہے۔ جو کسی وجہ سے اسلام کو ہضم نہیں کر پاتا۔ اسلام اس کے دل و دماغ میں گھر نہیں کر سکتا لیکن اس میں اتنی اخلاقی جرأت نہیں ہوتی کہ وہ اس کا انکار اور اس سے لاتعلقی کا اظہار کر سکے یا اس کے مفادات اس کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ ان فوائد سے دستبردار ہو جائے جو اسلام کے انتساب سے اس کو کسی اسلامی سلطنت یا مسلم سوسائٹی میں حاصل ہیں۔ اس لئے وہ ساری عمر اس دو عملی اور تذبذب کی حالت میں رہتا ہے اس کی نفسی کیفیات اس کے اعمال و اخلاق اس کی اخلاقی کمزوری، اس کی مصلحت شناسی، موقع پرستی، زندگی سے لطف اندوزی کا جذبہ، دنیاوی انہماک، آخرت فراموشی، اہل اقتدار کے سامنے روباہ مزاجی اور کمزوروں اور غریبوں پر دست درازی ''منافقین اولین'' کی یاد تازہ کرتی ہے۔

نفاق اور منافقین کی نشاندہی:

حضرت حسن بصریؒ کی بہت بڑی دینی ذہانت تھی کہ انہوں نے اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیا کہ نفاق موجود اور زندہ ہے اور منافقین نہ صرف موجود بلکہ زندگی پر اثر انداز اور سلطنت میں دخیل ہیں اور انہیں سے شہروں میں چہل پہل ہے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا:

"خدا کی شان ہے اس اُمت میں کیسے کیسے منافق غالب آ گئے ہیں۔ جو پرلے درجے کے خود غرض ہیں۔"

یعنی حکومت میں وہ عنصر موجود ہے جو اسلام اور مسلمانوں کا مخلص نہیں اور جس کو اپنے اغراض اور منافع سے دلچسپی ہے۔

حسن بصریؒ کی دعوت و اصلاح کی طاقت و تاثیر میں اس بات کو بڑا دخل ہے کہ انہوں نے زندگی کا ایک سرا پکڑ لیا اور سوسائٹی کی اصل بیماری کی طرف توجہ کی۔ ان کے زمانے میں بہت سے واعظ اور داعی تھے لیکن اس زمانہ کے معاشرہ نے کسی کے وجود اور کسی کی دعوت کو اس طرح محسوس نہیں کیا جس طرح حسن بصریؒ کے وجود اور ان کی دعوت کو محسوس کیا۔ اس لئے کہ ان کی تقریروں اور ان کے درسوں سے اس بگڑے ہوئے معاشرہ پر زد پڑتی تھی۔ وہ نفاق کی حقیقت بیان کرتے تھے اور نفاق ایک مرض تھا جو اس سوسائٹی میں پھیل رہا تھا۔ وہ منافقین کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے تھے اور یہ اوصاف و اخلاق بہت سے لوگوں میں پائے جاتے تھے جو حکومت، فوج اور تجارت میں پیش پیش تھے اور زندگی میں نمایاں تھے۔ وہ آخرت فراموشی اور دنیا طلبی کے بحران کی مذمت کرتے تھے اور بکثرت لوگ اسی وبا کی شکار تھے۔ وہ موت اور آخرت کی تصویر کھینچتے تھے اور ان حقیقتوں کو متحضر کراتے تھے اور مترفین اور غافلین کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہو گیا تھا جس کی زندگی ان حقائق کو بھلائے رکھنے میں تھی۔

غرض ان کی دعوت ان کے مواعظ اور ان کے اصلاحی درس اس زمانہ کی خواہشات و اغراض سے اس طرح متصادم تھے کہ اس زمانہ کی سوسائٹی کے لئے ان سے غیر متعلق رہنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس کا نتیجہ تھا کہ بکثرت لوگ ان کی تقریروں اور مجلسوں سے چوٹ کھا کر پچھلی زندگی سے تائب ہوتے تھے۔ اور نئی زندگی اختیار کرتے تھے وہ اپنی تقریروں اور مجلسوں سے دین و ایمان کی دعوت بھی دیتے تھے اور اپنی صحبت اور عمل سے نفوس کی تربیت اور تزکیہ بھی کرتے تھے۔ ساٹھ سال کی طویل مدت انہوں نے اس دعوت و اصلاح میں گزاری۔ کوئی اندازہ نہیں کر سکتا کہ کتنوں کو ان کی وجہ سے حلاوت ایمان اور حقیقت اسلام نصیب ہوئی۔ عوام بن حوشب کہتے ہیں کہ حسنؒ نے ساٹھ برس تک اپنی قوم میں وہ کام کیا جو انبیاء کرامؑ (ختم نبوت سے پہلے) اپنی امتوں میں کرتے تھے۔

حسن بصریؒ کی وفات اور ان کی مقبولیت:

اس خلوص دینی انہماک اور علمی روحانی کمالات کا اثر یہ تھا کہ سارا بصرہ کا گرویدہ تھا۔ ۱۱۰ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو سارے شہر نے ان کے جنازہ کی مشایعت کی اور بصرہ کی تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ پوری آبادی کے قبرستان چلے جانے کی وجہ سے اس روز شہر کی جامع مسجد میں عصر کی نماز نہیں ہو سکی۔ حسن بصریؒ کے بعد ان کے روحانی جانشینوں نے اور اپنے زمانہ کے داعیوں نے دعوت الی اللہ، دعوت آخرت اور دعوتِ ایمان و عمل کا تسلسل جاری رکھا۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

آج ہماری عملی زندگی اپنے مرکز سے ہٹ گئی ہے۔ ہمارا مرکز ہے اللہ کی کتاب اور اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ لیکن ہم طبقوں، گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے۔ ہمارے نفس نے، ہماری خواہشات نفس نے، ہوائے نفس نے کہیں دنیا کو قبلہ بنالیا، کہیں اقتدار کو قبلہ بنالیا، کہیں دولت کو قبلہ بنالیا، کہیں شہرت کو قبلہ بنالیا اور ہم تقسیم در تقسیم ہوتے چلے گئے۔

رہ گئی رسم اذاں روح بلالی نہ رہی

ماخوذ از "اکرم التفاسیر" جلد دوم

تعاون

تاجران کاٹن یارن اینڈ پی سی یارن

شیخ ناصر شیخ عبدالستار گلی نمبر 1 بالمقابل رحمان مارکیٹ

منٹگمری بازار فیصل آباد فون 041-2617075-2611857

may discard the Western economic system and adopt the Islamic economic system instead, they may apply the Islamic system of Justice and so the Islamic civilization may practically be implemented over the whole globe. It had therefore become incumbent upon the USA to destroy the government of the Taliban, the revivalists of Islamic system. The Taliban were a handful of students and teachers of Madrassahs (Islamic Schools) who had neither adequate resources nor proper institutions. The shortfalls and weaknesses in their manner of working were caused by the paucity of resources. However, they were absolutely sincere and fully committed in their effort to implement whatever they knew of Islam. Their initial launch was so promising that they posed a threat to the West and the President of the USA had to cry out 'They were going to finish our Culture around the globe.' Pakistan is still not being taken to task because there is a group here that, even though a minority, wield a lot of power. This group bows before the West at almost every step. It adores the speech and conduct of the Westerners and is mad about their way of living and mannerism. Residing in mental slavery, it loves their culture from the core of their heart, longs for it and follows it even more than them. Observing such groups and having contact with them, the West presumes that it can swallow the whole Muslim World, but that is its gross mistake. That is just not possible! And when this dream does not come true, the going will get tough. The foreign powers blurt out even today that they may land their forces in Pakistan ... and we are earnestly waiting for that moment! We are living for the day when some false power clashes with the Sunnah of the Holy Prophet-saaws and we are then blessed with the opportunity to sacrifice our blood; then falsehood gets defeated and the Sunnah of the Messenger-saaws is revived. This will happen, most certainly! Allah is going to preserve the Deen of His Prophet-saaws forever. This Deen is under Allah's protection and will remain so forever. Remember, any person who adopts the Sunnah of the Holy Prophet-saaws in conduct, morals and worldly dealings will be included with the martyrs of 'the Clash of Civilizations' even if he passes away and this incident occurs sometimes after him. He will also get the Thawab (reward) like the martyrs of that occasion. The Holy Prophet-saaws has given the glad tidings of a Thawab of two hundred Shuhada (martyrs) to a person who revives even one of his Sunnah.

Once again the lovers (of Prophet Muhammad-saaws) have found the occasion to rejoice. The month of Rabi al Awwal has arrived again. Unanimously, the date of his blessed birth is also the date of his deputation. I request all of you to remind this nation, the Ummah, the whole Islamic World about the blessed moment of the glorious deputation; a blessing meant exclusively for the believers. A non-believer has no share in it, because he has deprived himself of it.

Now make a promise of service (to the Holy Prophet-saaws) with some sincerity;
Align yourself with the nation of Messenger Ahmad-saaws.

adopted an interest based economy. For this reason Prophetic blessings were withdrawn from their economic system and they became financially dependant. Deprivation starts to pervade those spheres of the Muslims' lives wherein they abandon the Sunnah of the Holy Prophet-saaws. And this deprivation keeps a person wretched even in the presence of means and resources. The deprivation of a person who doesn't have the resources is understandable, but if a wealthy person, who can look after himself, is also deprived of the basic utilities and necessities of life, then such deprivation stems from forsaking the way of the Holy Prophet-saaws.

The same point has been mentioned in the Holy Quran that Allah-swt restricts the provisions of a person who forgets Allah-swt and turns away from the Deen of the Holy Prophet-saaws. It is God's curse that a person has money but cannot purchase the necessities of life. And if he is able to purchase them, they are costly or adulterated or he gets blown up by an explosion on his way to the market. Why is all of this happening? It is happening because, although we recite the Kalimah and profess Faith, we are forsaking the ways of the Holy Prophet-saaws and are actually violating the Sunnah in our lives. When we adopt Western culture and mannerism, we discard one Sunnah for each foreign custom that we adopt. One Sunnah is sacrificed for every alien act. And the tragedy is that we don't realize it and don't feel sorry about it. Doctor Iqbal says it is a tragedy that 'our Caravan has been looted'; our treasure that was the Sunnah of the 'Best of Creations-saaws' has been snatched from us. We recited the Kalimah) and should have become better human beings with greater regard to the Sunnah of the Holy Prophet-saaws) but turned into something different. This malady can still be cured; but if the Caravan doesn't even realize that it has been plundered why would it try to make up the loss? Had it realized that it was being looted it may have saved something. But if it doesn't even realize its loss and doesn't feel sorry that it is losing the civilization granted by the Holy Prophet-saaws, how would it retrieve its lost treasure?

I am telling you this, with Allah as the Witness, that Allah-swt will instantly attend with Grace and Help and grant the blessings of Sunnah and the success of this world, as well as of the Akhirah, to any of His slaves who resolves to reform his deeds and conduct, his views and thoughts, his expression and speech in accordance with the Sunnah of the Holy Prophet-saaws. Also remember that it is not possible for the West to swallow Islam, like it has swallowed the remaining civilizations. It is for this reason that Allah is going to preserve the Truth. Falsehood has to vanish, this civilization may progress to any level and may reach any heights but it is destined to collapse.

Woe failure! The treasure of the Caravan has been plundered,
The realization of loss has also faded from the heart of the Caravan.

Oh the Flag Bearers of the West! You may spread this civilization to any limits that you may, but eventually it will become the cause of its own downfall. The West has provided material progress to people but has taken away the honour of their children; it has modernized their food, given them burgers instead of bread but has taken away the respect for their elders and the affection for the young. How long can humanity sustain this arrangement? It is against human nature. It is not going to last. It is this culture that has to collapse!

It is a separate issue that civilizations are advancing towards a clash. The Western nations have attacked the Muslims. Why did a strong country like the USA, that calls herself a super power, attack Afghanistan? Was the Afghan government so strong that the USA had feared an Afghan attack? Did it have that capability? No! The reason stated by the US President was that 'these people are going to destroy our culture around the globe'. Had this state been allowed to succeed, then, according to him, it would have become a model state for the Muslims because of the establishment of equality, justice and an exemplary peace. He apprehended that other Nations

It will be a sight worth seeing. And of course the lovers of Allah will be uniquely distinct. A believer needs to think and understand today that Allah[swt] has mentioned about Huda (Guidance) in relation to the deputation (of His Messenger[saaws]). What is this Huda after all? Huda means the correct way of doing something. *Sent His Messenger with Huda.* And the correct way of doing anything, whether it relates to earning bread, mutual dealings, Faith and belief, individual and domestic life, or national and international affairs, that way is called the 'Sunnah Khair al Anam' (the way of the Best of the Creation). Not only is the Sunnah of the Holy Prophet[saaws] the best way, it is also the easiest; straight and easy like a straight line! This fact has also been mentioned in Surah al Fatiha: *Guide us onto the Straight Path.* O Allah! Show us the straight path. A person who spends his life in this manner, his every action, from his food, drink and rest to every aspect of life will be in accordance with the Sunnah of the Holy Prophet[saaws] and that is the true Religion! His sleep and wakefulness, food and rest will all be graded as worship, because in all affairs of his life he adopts a way that is the way of My Beloved[saaws].

This world has remained inhabited by many civilizations, and it was always the Prophets who showed mankind the Path of Truth. Every Prophet came at his appointed time, for a specific period and left after completing his mission. This practice continued till the appointment of the Holy Prophet[saaws]. He was appointed for mankind from the time of his appointment till the Last Day. Residing in the desert of the Arabian Peninsula, he issued a manifesto for all human beings, all over the world for all times to come. And it is not a small proposition! The wisest people of a nation sit together to draft a constitution, but by the time of its implementation it has already undergone dozens of modifications. However, the Constitution granted by the Holy Prophet[saaws] will neither require any amendment nor annulment; it will neither grow outdated nor will it require any updating. Even with different languages, nations, areas and geographic (and climatic) conditions, from snow clad mountains to brazing deserts, living under the most diverse conditions, it is not only possible but also equally easy for everyone to follow its rules and regulations. And this is what al Huda means: the easiest way! Islam is the most likeable, the most beautiful and the most honourable way with Allah[swt]. We recite the Kalimah, possess the wealth of Faith, the doors of the blessings of deputation are wide open to us since the deputation of the Holy Prophet[saaws], still, if we look at our present times, we find that none out of the seventy plus Muslim states (as portrayed by the national media) is really well off. They are writhing in the exploiting clutches of the non-Muslims, persecuted, oppressed and ruthlessly executed. The root cause of this dilemma certainly needs to be traced. If we read history we discover that innumerable civilizations have inhabited this planet. They rose to their climax and finally slipped down to their decline. According to the analysts, there were about fifteen or sixteen civilizations worth mentioning in the nineteenth century, but were reduced to only two by the end of the century. One of these is the Western civilization that has swallowed the others. Even while maintaining a different Faith than the West, most people have adopted Western ways of living and routines. All have been overwhelmed by the Western culture. It is only Islam that the Western civilization has not been able to swallow. In the Islamic civilization, it is only the ways of the Holy Prophet[saaws] that are followed; no other way merits any significance, whatsoever. A believer spends his life in accordance with the instructions of the Holy Prophet[saaws], adjusts his daily routine in line with his[saaws] directions and exercises due care even in the choice of his food and dress. Why is he then dishonoured in the world? It is because he has adopted the financial doctrines of the non-Muslims. The Holy Prophet[saaws] has forbidden usury, yet Muslims have

All this is made easy by the blessings of the Holy Prophet[saaws], but only when someone partakes of the Barakah of his deputation.

Remember that the reviving rains on which depends the survival of creatures (plant and animal alike), the pleasant breeze spreading the fragrance of flowers blossoming in the gardens, the ever expanding cities and the luxury and comfort that this world is enjoying is because of and through the hymn of 'La Ilaha illAllah Muhammad-ur Rasool Allah'. This Ummah is the last Ummah, this Messenger[saaws] is the last Messenger and Quran is the last Book. When people forget the Book, when the flow of Prophetic blessings is stopped and there remains not a single soul to remember Allah, the whole Universe will explode to extinction. Gardens will be ruined, clouds will evaporate, skies will be torn asunder, stars will fall, sun will become dark, mountains will float like **cotton** balls and oceans will dry up. Replying to a question the Holy Prophet[saaws] once said 'When Allah will not be called any more,' that is when the universe will come to an end. There will be no universe when there is no religion! So everyone is receiving these blessings because of Allah's Name, the Holy Prophet[saaws] and his religion. Of course believers are the recipients of very special blessings!

Allah even introduced Himself as: *He it is Who sent His Messenger with Guidance and the True Religion, that He may make it superior to all Religions. And All-Sufficient is Allah as a Witness.* (48:28) O people! If you want to know Allah, if you want to learn about Him and if you want to be conscious of His Greatness, just see His Beloved, His Messenger and you will realize how Great He is! If this is the level of greatness of the creation, how Great will the Creator be! Indeed it is only the Holy Prophet Muhammad[saaws] who can tell about Allah. So remove the curtain of Kufr and see him, fill your eyes with the light of the Faith and see him, illuminate your heart with the light of the Faith and see him. Because with Kufr in your eyes you may look towards him but you will never be able to see him. *They look towards him but don't see him.* (7:198). Allah[swt] mentions about the disbelievers that 'they look towards My Prophet[saaws] but are unable to see him.'

A person who cannot see him will not be able to follow his actions, that is his Sunnah. And how can a person who does not follow his Sunnah qualify to receive his Barakah? This is a point to ponder for those who celebrate his blessed birth only.

We need to remember that great favour of Allah[swt] which He Himself has mentioned: O you who believe! O you who have been blessed with La Ilaha illAllah Muhammad-ur Rasool Allah, the favour that I have bestowed upon you cannot be measured in any way. Nobody can gauge the greatness and vastness of My favour that I have deputed amongst you. My Messenger who has enabled you, dwellers of the earth, to converse with the Supreme Being, has cleansed and purified you to a level where the angels prize their longing to observe you. It is mentioned about such people in a Hadith: there is a very deep valley of Jahannam under the Bridge-Way, whose fire is extremely intense and has gone black for burning continuously. When such people pass over it, Jahannam will cry out, 'O Allah! Pass these people quickly over me else my fire is going to be extinguished.' The Holy Quran mentions that more of such people will be amongst the first groups (of Muslims) and lesser in their succeeding groups, following till the Last Day. *Many amongst the first and few amongst the last.* (56:13-14). Their faces will be resplendent with Your Light, their hearts resonating with your Zikr and the light of Your Zikr illuminating the DNA of each cell of their bodies. Jahannam will cry out 'My fire is going to be extinguished due to the Light of Your Refulgence in their bodies.' *Their light running forward before them.* (66:8). They will be carrying their light with them. When the Ummah of the Holy Prophet Muhammad[saaws] crosses (the Bridge-Way),

favour by Allah[swt] Himself is the appointment of the Holy Prophet[saaws] (as the Messenger). Which types of blessings accompanied this favour? *He[saaws] recites His Ayaat unto them*. My Messenger conveys My discourse to My slaves; he enables them to talk to Me directly. To what heights did he[saaws] raise a handful of dust (a man) walking on the earth that he could talk directly to his Creator and Master. The Holy Prophet[saaws] said, anyone who wishes to talk to the Lord of the Universe should recite the Quran. When he recites the Quran, Allah[swt] will be talking to him.

However, conveying the Personal Word of Allah to His slaves was not the only favour of the Holy Prophet[saaws], he also purified them. Man was raised from dust. His body was created from clay and joined with Rooh from the Realm of Command. He is a strange combination of the dense and the subtle! Allah[swt] created man blending the densest matter (clay) with the subtlest of elements (Rooh). He[swt] said 'The favour of My Prophet is that he illuminated the human Rooh with his blessings and thus purified the body to a level where Allah's Zikr became infused into its every cell.' The value of Prophetic instructions is so great that, according to a Hadith, the angels spread their wings under the feet of a man when he sets out of his house to learn Deen or Prophetic instructions. This blessing is not time related. Even today, after fifteen centuries, the greatness of each one of the Prophetic instructions remains established and an angel spreads his wings even before the person sets his foot. And how about those fortunate people who saw the Holy Prophet face to face, established him in their hearts and held him nearer and dearer than their own selves. Their condition became such that each cell of their bodies resonated with Allah's Zikr. The Holy Quran confirmed this fact: *Then softened their skins and hearts towards Allah's Zikr*. (39:23). His Remembrance settled into their cells, rather into the DNA of their personalities. Any believer, whether unlettered or scholar, male or female, young or old, anyone who received a single Prophetic glance during their life, was blessed with the honourable status of Companionship. A single blessed glance elevated him to a level such that, were the piety of all the pious of the world collected together and the Wilayah of all the Aulia who lived till the Last Day piled up, that could not reach the dust touching his feet. If this is the effect of a single glance, how much of a blessing must those Companions have absorbed, who spent the whole twenty-three years in his exalted company? If angels spread their wings for someone who sets out to learn a single word, how many blessings would be showered upon a person who purifies himself and redirects his life in adherence to the Holy Prophet[saaws]? This is that great favour, the deputation of the Holy Prophet[saaws]!

We should understand and talk about this favour! But why do we always talk about the birth and not the deputation of the Holy Prophet[saaws]? Of course many miracles occurred and many blessings were distributed because of his birth, but both believers and disbelievers equally receive and share those blessings... probably we (the believers) also wish to receive only (without giving anything).

We don't talk about the deputation of the Universal Mercy[saaws] because Faith is a prerequisite to acquire the blessings of his deputation. Faith is related to Deen, which denotes the instructions of the Holy Prophet[saaws]. Beside numerous miracles and blessings, his deputation also includes his instructions, which have to be followed. A person has to prune himself to enter the Deen of the Holy Prophet[saaws]. He has to clean himself to acquire piety; he has to strive with sincerity and determination; he has to abandon customs and rituals and adopt the Sunnah of the Holy Prophet[saaws]. He has to sacrifice his wishes for the Good Pleasure of Allah[swt] and has to surrender his opinions and desires to the will of the Holy Prophet[saaws].

Scientific research has revealed that every tiny particle of a man's body contains a code known as the DNA, which contains the detail of every aspect of his life from his birth to his death. The study of DNA can reveal the development of his body with reference to his age as well as the level of his physical and mental capabilities. Thus the whole program and pattern of his life, from the beginning to the end has been recorded in his DNA. Then, the phenomenon of DNA is not unique to human beings alone; every creature of the universe has its specific DNA. If the DNA of the entire creation were collected, it could be accommodated on a teaspoon. How subtle and well coordinated is the system designed by the Rabb of the Universe! The Greatness and Nearness of the Rabb can be realized by the fact that if the DNA of man can be closest to him, inside him; how close to man He Himself would be! This is the meaning of the Divine Ayah, *And We are Nearer to him than his life vein.* (50:16)

However, despite all these favours, when Allah[swt] mentions of His favours in the Holy Quran, He declares, *Indeed Allah has favoured the believers, when He appointed among them a Messenger.* Allah[swt] says: My favours on the heavens and the earth and on the whole of creation are countless, but My real favour is that I have appointed My Messenger. This favour has no parallel!

What then, is the greatest favour of Allah[swt] on the believers, that is incomparable: it is the appointment of His Messenger! Here, Allah[swt] did not mention the birth of His Messenger, although the blessed birth is also a very great favour, but if we reflect upon this favour, we find that the blessings related to his birth are meant for the whole creation including human beings, animals, birds and all creatures within the heavens and the earth. There is no discrimination between a believer and a disbeliever; these blessings are for everyone, alike. These are related to Allah's Attribute of Rahmaniyyat. It is through this Attribute of Allah[swt] that even disbelievers are granted wealth and rule. He continues to bless even those who don't believe in Him. Everyone, from the lowest form of life to the highest, are constantly benefiting from Rahmaniyyat. However, the manifestation of this Attribute of Allah[swt] is confined only to this world, which has no permanence and will not stay forever. Therefore, this Divine Attribute will also not be displayed forever. For this reason, He is known as 'Rahman of Dunya (this world) and Raheem of Akhirah (the next world). The display of the Divine Attribute of Raheemiyyat is for eternal life, but, it is necessary to obtain Raheemiyyat during the life of this world. Anyone blessed with Raheemiyyat will retain it here (in this life), at the time of death, after death, in Barzakh and also in Jannah. Once granted, Raheemiyyat will never be taken back. It is for both worlds, this as well as that.

Allah[swt] has sent the Holy Prophet[saaws] as a mercy for the whole universe. He has been sent as the total mercy, holding all favours, ever to be granted by Allah[swt]. A Kafir is deprived because he does not associate himself with the Holy Prophet[saaws]. Although he keeps receiving all of the blessings of this life through the Attribute of Rahmaniyyat, but receives no share from Raheemiyyat because of his disassociation with the Holy Prophet[saaws]. On the other hand, anyone who associates himself with the Holy Prophet[saaws] receives every conceivable favour from Allah[swt].

The blessings associated with the birth of the Holy Prophet[saaws] are related to Rahmaniyyat. Haleema Saadia[raa] had not yet known about Islam when her lean camel raced ahead, leaving everyone else behind. Similarly, the nations for whom collective punishment and the descent of torment from the heavens were suspended after the birth of the Holy Prophet[saaws] were neither Muslims nor had they forsaken their sins. The blessings of the auspicious birth were common to Muslims and non Muslims alike. However, the event mentioned as His greatest

Deputation of the Universal Mercy-saaws

Translated Speech
of
His Eminence Ameer Muhammad Akram Awan
Shaikh Silsilah Naqshbandiah Owaisiah
Dar ul Irfan Munara
7th March 2008

All Praise is for Allah, the Lord of the Universe
And Salutation and Peace be upon His Beloved Muhammad and upon his family and Companions, all!
I seek refuge with Allah, from Shaitan the outcast
With the Name of Allah, the Beneficent, the Merciful.

Indeed Allah conferred a great favour on the believers when He sent among them a Messenger from among themselves, who recites unto them His Verses and purifies them and teaches them the Book and wisdom, while before that they had been in manifest error. (3:164)

Al-Hamdo Lillah the blessed month of Rabi ul-Awwal is approaching. Muslim brothers will celebrate the birth of the Holy Prophet-saaws. Rallies and processions will be taken out, meetings will be held and celebrations will be arranged. However, what we need to bear in mind is, which manner (of our expression) is commensurate with the greatness and glory of the Holy Prophet-saaws, how should we express our gratitude to Allah-swt, and what has Allah-swt ordained about this matter, as to how we should thank Him for this favour .
Beyond doubt, Allah-swt has bestowed innumerable favours upon His entire creation. He has brought them forth into existence from non-existence and has placed amazing qualities in every creature. He blessed man with numerous abilities and enabled him to discover the secrets of nature and to use his God-gifted intellect to design new inventions. Then, He employed His whole creation to serve man. Just look at an insignificant creation like the bee. How wondrous are the capabilities He has granted to this tiny creature; man can never make honey the way she makes it from juices, although man stands amazed at his own advancement! If Allah has granted so many qualities to a tiny bee, how many qualities He must have blessed His other creation with!
And above them all is man, who has been graded by Allah as the most honoured of creations, the best of His works! *Indeed We created man in the best stature*. (95:3) He-swt blessed him with several attributes of his body, Qalb and Rooh, a brain with different senses, nature and dispositions. Also the faculty of thought and comprehension and an unlimited capacity for knowledge coupled with a faculty of research with which man has stocked huge libraries around the world containing research on every subject. Yet his research cannot be considered as the final word; rather many more vistas of experiment and research with even greater depth and expanse still wait to be explored. And thus continues the unending flow of Divine favours! Allah-swt mentions it in the Holy Quran: *And if you would count the favours of Allah, never could you be able to count them.* (16:18)

علوم جدیدہ اور دینیہ کا حسین امتزاج اقبال کے شاہینوں کا مسکن
راولپنڈی بورڈ اور پنجاب ایجوکیشن فاؤنڈیشن سے الحاق سے مسلسل
دس سال راولپنڈی بورڈ سے پوزیشن لینے والا واحد ادارہ

صقارہ سائنس کالج

ہاسٹل کی سہولت موجود ہے

- پری کیڈٹ تا ایف ایس سی (پری میڈیکل، پری انجینئرنگ)
- داخلہ ایف ایس سی پارٹ ا
- پری کیڈٹ اور آٹھویں جماعت

داخلہ جاری ہے

طلباء کی کردار سازی کے ساتھ ساتھ چار گھنٹے رات ساڑھے دس بجے تک قابل اساتذہ کی نگرانی میں کوچنگ کا اہتمام
ہاسٹل کی سہولت بہترین موسم (صحت افزا مقام) شاندار مستقبل کیلئے نادر موقع

پرنسپل لیفٹیننٹ کرنل (ر) تنویر الرحمٰن مزید معلومات کیلئے براہ راست رابطہ کریں

صقارہ سائنس کالج دارالعرفان منارہ ڈاکخانہ نورپور ضلع چکوال فون نمبر 0543-562222
562200

For Feed back: siqariah@siqarahedu.com, principal@siqarahedu.com, viceprincipal@siqarahedu.com
Visit at: www.siqarahedu.com